ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

اپریل 2024ء- رمضان المبارک 1445ھ (جلد 21 شمارہ 09)

www.idaraghufran.org

ترتیب وتحریر

صفحہ

آئینۂ احوال.........نفاذِ اسلام کے لیے قانون سازی کی حیثیت.....مفتی محمد رضوان 3

درسِ قرآن (سورہ آلِ عمران: قسط49).......نرمی، درگذر، اور استغفار کرنے کا حکم......// // 5

درسِ حدیث.........................ظالم وفاسق حکمرانوں کا فتنہ............// // 11

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

افادات وملفوظات...مفتی محمد رضوان 22

علم کے مینار: ....فقہ مالکی، منہج، تلامذہ،

کتب، مختصر تعارف (سولہواں حصہ).......................................مفتی غلام بلال 25

تذکرۂ اولیاء: ....پاکستان میں مسئلہ ٹیکس اور

خلافتِ عمر سے اس کا حل (قسط4)................................مولانا محمد ریحان 28

پیارے بچو!.........................کہانی دل کی زبانی (قسط2)..................// // 31

بزمِ خواتین...ملازمت اور تجارت میں خواتین کے اختیارات (حصہ:14).....مفتی طلحہ مدثر 33

آپ کے دینی مسائل کا حل ....تکفیر بازی ومغالطاتِ

سلفی کا جائزہ (قسط18)...ادارہ 36

کیا آپ جانتے ہیں؟.........................اللہ کو راضی کئے بغیر، کفار کے

خلاف کامیابی ممکن نہیں...مفتی محمد رضوان 43

عبرت کدہ ......حضرت موسیٰ اور قارون (پانچواں آخری حصہ)......مولانا طارق محمود 54

طب وصحت.............................نزلہ وزکام................حکیم مفتی محمد ناصر 59

اخبارِ ادارہ ....ادارہ کے شب وروز..............................// // 61

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینۂ احوال

مفتی محمد رضوان

نفاذِ اسلام کے لیے قانون سازی کی حیثیت

ہمارے ملک کے ایک بڑے طبقہ کا خیال یہ ہے کہ ملک میں اسلام کا نفاذ،صرف سیاسی ایوانوں میں قانون سازی سے ممکن ہے،اس کے بغیر ہر قسم کی جدو جہد بے کار ہے،اسی لئے یہ حضرات جب بھی اسلام اوراس کے احکام پرعمل کی بات کرتے ہیں،تو اس کا رخ فوراًسیاسی ایوانوں،اورمحض قانون سازی کی طرف موڑ دیتے ہیں،اور یہ لوگ منبر ومحراب میں احیائے اسلام کی بات کرتے ہوئے بھی اسی جہت سے آواز بلند کرتے ہیں،اور پھر اگر اسمبلی میں کوئی بل بھی مذہبی انداز کا پاس ہوجائے،تو اس کو اسلامی نفاذ گردانا جاتا ہے۔

حالانکہ اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ ہمارا ملک اسلام کے نام پر قائم کیا گیا تھا،اور ملک کے قیام کے بعد جو آئین مرتب کیا گیا،اس میں بھی اسلام کے قیام ونفاذ کو ملحوظ رکھنے کو واضح کیا گیا تھا۔چنانچہ پاکستان کے آئین میں قراردادِ مقاصد کے تحت یہ وضاحت موجود ہے کہ:

> چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی پوری کائنات کا بلاشرکتِ غیرے حاکمِ مطلق ہے، اور پاکستان کے جمہور کو جواختیار واقتدار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہوگا، وہ ایک مقدس امانت ہے(ضمیمہ:’’آرٹیکل ۲،الف‘‘ قراردادِ مقاصد،اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور)

نیز پاکستان کے آئین میں اس بات کی بھی تصریح موجود ہے کہ:

> تمام موجودہ قوانین کو قرآن پاک اور سنت میں منضبط اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے گا، جن کا اس حصہ میں بطور اسلامی احکام حوالہ دیا گیا ہے، اور ایسا کوئی قانون وضع نہیں کیا جائے گا، جو مذکورہ احکام کے منافی ہو(’’آرٹیکل ۲۲۷‘‘ حصہ نہم، اسلامی احکام، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور)

www.idaraghufran.org

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عدلیہ اور مقنّنہ سمیت ملک کے جملہ اداروں پر آئین کی پابندی و پاسداری لازم ہونے ،اور نصف صدی سے زیادہ کا عرصہ گذرنے کے باوجود آج تک اس پر عملدر آمد نہ ہوسکا، کیونکہ نہ تو ملک کے عوام خود سے اپنے اوپر نفاذِ اسلام کے لئے تیار ہیں، یہی وجہ ہے کہ جن اسلامی احکام کے لئے کسی قانون سازی کی بھی ضرورت نہیں اوران کا تعلق ہر شخص کی نجی زندگی سے ہے، ان میں بھی مسلمانوں کی اکثریت عملی طور پر بہت پیچھے ہے، اور ہر شخص اپنے چار، پانچ فٹ جسم اور اپنے گھر وغیرہ کی حد تک اسلام کے نفاذ میں آزاد ہونے کے باوجود اس کے لئے آمادہ نہیں۔

اور اسی طرح سیاست، عدالت، وغیرہ جیسے اداروں کے ذمہ داران، عملی طور پر اسلامی احکام کے نفاذ میں مخلص نہیں، بلکہ اسلام کا نفاذ ہی دراصل ان کے کاروبارِ زندگی کے لئے رکاوٹ ہے، اور مشہور ہے کہ ”چور، دوسرے چور کے ہاتھ کیسے کاٹے گا“ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ ایک دن وہ خود بھی اس کی زد میں آئے گا۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں اسمبلیوں سے بیسیوں اسلامی قوانین پاس ہونے کے باوجود، ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں، بلکہ ہمارے ملک میں قانون پر عمل داری کی جو حالت ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں، یہی وجہ ہے کہ بعض مذہبی امور کے مطابق قوانین بنانے کے بعد ان مذہبی امور کو زیادہ پامال کیا گیا، رہا معاملہ جزوی فوائد کا، تو ان سے کون انکار کرتا ہے، اصل مسئلہ تو مقاصد و ترجیحات کا ہے۔

ان حالات میں ضروری ہے کہ امتِ مسلمہ کے افراد کی اصلاح پر خاص توجہ دی جائے، اور ہر شعبۂ زندگی میں اسلامی احکام پر عمل اور اس کی اہمیت پر زور دیا جائے، جس کی موجودہ زمانہ میں بہت کمی پائی جاتی ہے، اور سمجھا جاتا ہے کہ جب تک اسمبلیوں سے اسلام نہیں آئے گا، اس وقت تک امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا خاطر خواہ فائدہ نہ ہوگا، حالانکہ اس کے بغیر براہِ راست اوپر سے اسلام کے نفاذ کی خواہش رکھنے کی حیثیت اس سے زیادہ خوش کن نہیں کہلائی جاسکتی، جیسا کہ کوئی شخص درخت سے عمدہ پھل حاصل کرنے کے لئے، اس کی جڑ میں پانی لگانے کے بجائے براہِ راست اس کی شاخوں پر یہ سوچ کر پانی لگائے کہ جس جگہ پھلوں نے اگنا ہے، اصل ضرورت وہاں پانی لگانے کی ہے، اور وہ جڑ میں پانی لگانے کو فضول سمجھے۔ ظاہر ہے کہ اس طریقہ سے درخت کو مضبوط اور عمدہ پھلوں کا حاصل کرنا ممکن نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فہمِ سلیم عطاء فرمائے آمین۔

www.idaraghufran.org

درسِ قرآن (سورہ آلِ عمران: قسط 49، آیت نمبر 159) مفتی محمد رضوان

نرمی، درگذر، اور استغفار کرنے کا حکم

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (سورة آلِ عمران، رقم الآية ١٥٩)

ترجمہ: پس اللہ کی رحمت سے نرم ہوگئے آپ ان (لوگوں) کے لئے، اور اگر ہوتے آپ بداخلاق، سخت دل، تو منتشر ہوجاتے وہ (لوگ) آپ کے اردگرد سے، پس معاف کردیا کریں آپ ان (لوگوں) سے، اور استغفار کیا کریں آپ ان (لوگوں) کے لئے (سورۃ آلِ عمران)

تفسیر وتشریح

سورہ آلِ عمران کی مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی خصوصی رحمت کے ایک عمدہ اثر کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ آیت کے شروع میں فرمایا کہ:

”فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ“

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی پر خاص رحمت فرمائی، جس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، لوگوں کے لئے نرم ہوگئے۔

اور اس کا لوگوں کو یہ فائدہ ہوا کہ اس کے نتیجہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوگوں کی کشش ومیلان پیدا ہوگیا، اور اس طرح نبی سے استفادہ کرنا، اور آپ کی صحبت اور ہدایت سے مستفید ہونا ممکن ہوگیا، اور اگر بالفرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم سخت دل والے ہوتے، تو پھر لوگ آپ کے اردگرد نہیں رہ سکتے تھے، بلکہ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے، اور آپ کی ہدایات سے محروم ہوجاتے۔

واقعی یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمین کے لئے سراپا رحمت بنادیا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

www.idaraghufran.org

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (سورة الانبياء، رقم الآية ١٠٧)

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو، مگر رحمت بنا کر عالمین کے لئے (سورہ نساء)

اور سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ (سورة التوبة، رقم الاية ١٢٨)

ترجمہ: یقیناً بلاشبہ آ چکا ہے تمہارے پاس رسول، تم ہی میں سے، گراں گزرتی ہے اس پر تمہاری تکلیف، حریص ہے وہ تم پر، مومنوں کے ساتھ نہایت شفقت کرنے والا، انتہائی مہربان ہے (سورہ توبہ)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت اعلیٰ اخلاقات سے نوازا ہے، جن میں نرمی و بردباری بطورِ خاص قابلِ ذکر ہے۔

نرمی و بردباری کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما الصلاۃ والسلام کو جب فرعون کی طرف تبلیغ کے لئے بھیجا، تو یہ نصیحت فرمائی کہ:

اِذۡهَبَآ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰی. فَقُوۡلَا لَهٗ قَوۡلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَکَّرُ اَوۡ یَخۡشٰی

(سورة طٰهٰ، رقم الآية ٤٣، و ٤٤)

ترجمہ: تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ، بے شک وہ سرکشی اختیار کیے ہوئے ہے، پس تم دونوں اس کو نرم بات کہنا، شاید کہ وہ نصیحت حاصل کر لے، یا ڈر جائے (سورہ طٰہٰ)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ: مَنۡ یُّحۡرَمُ الرِّفۡقَ یُحۡرَمُ الۡخَیۡرَ کُلَّهٗ

(سنن أبي داود، رقم الحديث ٤٨٠٩، كتاب الادب، باب في الرفق)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نرمی سے محروم کیا گیا، تو وہ پوری بھلائی سے محروم کر دیا گیا (ابوداؤد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّ الرِّفۡقَ لَا یَکُوۡنُ فِیۡ شَیۡءٍ إِلَّا

زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ (مسلم،رقم الحديث ۲۵۹۴ "۷۸" كتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الرفق)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً نرمی جس چیز میں بھی آتی ہے، تو اُسے زینت والی (اور خوبصورت) بنادیتی ہے، اور نرمی جس چیز سے بھی نکال لی جاتی ہے، تو اُسے عیب دار (وبدصورت) بنادیتی ہے (مسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے نرم اور سہل مزاج بنایا تھا، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں پر بھی آسانی ونرمی کرنے کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا، وَبَشِّرُوْا، وَلَا تُنَفِّرُوْا (بخاری،رقم الحديث ٦٩)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم آسانی پیدا کرو، اور مشکل پیدا نہ کرو، اور (اپنے آپ اور دوسروں کو) خوشخبری سناؤ، اور متنفر نہ کرو (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ تُحَرَّمُ عَلَيْهِ النَّارُ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ عَلٰى كُلِّ هَيِّنٍ لَيِّنٍ قَرِيْبٍ سَهْلٍ (صحيح ابنِ حبان،رقم الحديث ۴۷۰)

ترجمہ: کیا میں تمہیں اس آدمی کی خبر نہ دے دوں، جس پر آگ (یعنی جہنم) کو حرام کردیا گیا ہے، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بے شک (ہمیں اس کی خبر دیجئے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر اس شخص پر جو سنجیدہ، نرم مزاج، قریب اور سہل ہو (ابن حبان)

مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے اخلاق اس طرح کے ہوں کہ وہ باوقار اور سنجیدہ ہو (چھچھورا نہ ہو) اور نرم مزاج رکھتا ہو (سخت مزاج نہ ہو) اور اچھے برتاؤ کی وجہ سے لوگوں کے قریب ہو (دور نہ ہو) اور اس طرح سہل ہو کہ لوگوں کی ضروریات پوری کرتا ہو، اور شریعت کی پابندی کرتا ہو، ایسے شخص پر جہنم حرام ہے۔

حضرت حارثہ بن وہب خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ الْجَوَّاظُ وَلَا الْجَعْظَرِيُّ قَالَ: وَالْجَوَّاظُ: اَلْغَلِيْظُ الْفَظُّ (سنن أبی داود، رقم الحدیث ۴۸۰۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں جوّاظ (یعنی بدخُلق وبدلحاظ) اور مغرور ومتکبر شخص داخل نہیں ہوگا۔

راوی کہتے ہیں کہ ''جواظ'' وہ ہے جو انتہا درجہ کا بدخُلق اور بدلحاظ ہو (ابوداؤد)

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کے تمام اچھے اخلاق کا بلند ترین درجہ عطاء فرمایا تھا، اور برے اخلاق سے محفوظ فرمایا تھا۔

اس کے بعد سورہ آلِ عمران میں اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں سے معاف ودرگذر کرنے، اور ان کے لئے استغفار کرنے کا ان الفاظ میں حکم فرمایا کہ ''فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ''، ''پس معاف کردیا کریں آپ ان (لوگوں) سے، اور استغفار کیا کریں آپ ان (لوگوں) کے لئے''

اچھے اخلاق کے ساتھ لوگوں کو معاف کرنا، اور درگذر کرنے کے ساتھ ان کے لئے استغفار کرنا، اعلیٰ اخلاق میں سے ہے، جس کا قرآن وسنت میں مختلف طریقوں سے ذکر آیا ہے۔

سورہ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِيْنَ (سورۃ الشوریٰ رقم الآیۃ ۴۰)

ترجمہ: اور برائی کا بدلہ اسی طرح کی برائی سے (لینا جائز) ہے، پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کر لے تو اس کا اجر اللہ پر ہے، بے شک وہ (اللہ) محبت نہیں رکھتا ظالموں سے (سورہ شوریٰ)

اور قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے معاف ودرگذر کرنے کا اس طرح حکم فرمایا ہے:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (سورۃ المائدۃ، رقم الآیۃ ۱۳)

ترجمہ: پس آپ معاف کیجئے اُن لوگوں کو، اور درگزر کیجئے، بے شک اللہ محبت رکھتا ہے نیک کام کرنے والوں سے (سورہ مائدہ)

www.idaraghufran.org

اورسورہ حجر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاصۡفَحِ الصَّفۡحَ الۡجَمِیۡلَ (سورة الحجر، رقم الآية ٨٥)

ترجمہ: تو آپ اچھے طریقہ سے درگزر کردیجئے (سورہ حجر)

جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگوں کے لئے استغفار کرنے کا تعلق ہے،تو اس کا بھی قرآن مجید میں کئی مقامات پر ذکر آیا ہے۔

چنانچہ سورہ نور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ (سورة النور،رقم الآية ٦٢)

ترجمہ: اور آپ ان کے لئے اللہ سے استغفار کیجئے،بے شک اللہ غفور ہے،رحیم ہے (سورہ نور)

اورسورہ محمد میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِكَ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ(سورة محمد،رقم الآية ١٩)

ترجمہ: اور آپ استغفار کیجیے، اپنے گناہوں کے لئے،اور مومنوں کے لئے،اور مومنات کے لئے (سورہ محمد)

اورسورہ ممتحنہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَبَايِعۡهُنَّ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ(سورة الممتحنة،رقم الآية ١٢)

ترجمہ: تو آپ ان (عورتوں) کے لئے اللہ سے استغفار کیجیے، بے شک اللہ غفور ہے ،رحیم ہے (سورہ ممتحنہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اعلیٰ اخلاق کا ذکر تورات میں بھی کردیا گیا تھا۔

حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

لَقِيتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قُلْتُ :أَخْبِرْنِي عَنْ صِفَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّوْرَاةِ؟ قَالَ : أَجَلْ، وَاللّٰهِ إِنَّهُ لَمَوْصُوفٌ فِي التَّوْرَاةِ بِبَعْضِ صِفَتِهِ فِي الْقُرْآنِ :(يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا) وَحِرْزًا لِلْأُمِّيِّينَ، أَنْتَ عَبْدِي

وَرَسُوْلِیْ، سَمَّیْتُکَ الْمُتَوَکِّلَ لَیْسَ بِفَظٍّ وَلاَ غَلِیْظٍ، وَلاَ سَخَّابٍ فِی الْأَسْوَاقِ، وَلاَ یَدْفَعُ بِالسَّیِّئَةِ السَّیِّئَةَ، وَلٰكِنْ یَعْفُوْ وَیَغْفِرُ (بخاری، رقم الحدیث ۲۱۲۵، کتاب البیوع، باب کراهیة السخب فی السوق)

ترجمہ: میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ملا اور میں نے عرض کیا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حال بیان کیجئے، جو تورات میں ہے، انہوں نے فرمایا کہ اچھا، اللہ کی قسم! تورات میں آپ کی بعض صفتیں وہی بیان کی گئیں ہیں جو کہ قرآن میں بیان کی گئی ہیں، کہ اے نبی ہم نے تم کو گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور ان پڑھ لوگوں کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، تم میرے بندے اور میرے رسول ہو، تمہارا نام ہم نے متوکل (یعنی اللہ پر توکل وبھروسہ کرنے والا) رکھا ہے، نہ تم بدگو و بدزبان ہو اور نہ سنگ دل اور نہ بازار میں شور ڈالنے والے ہو اور نہ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے دینے والے ہو، بلکہ معاف کر دیتے ہو اور بخش دیتے ہو (بخاری)

درسِ حدیث

مفتی محمد رضوان

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

ظالم وفاسق حکمرانوں کا فتنہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربِ قیامت سے پہلے ظالم وفاسق حکمران ہونے اوران کے خلاف اختیار کئے جانے والے طرزِ عمل کی مختلف احادیث میں نشاندہی فرمادی ہے،جن کو سامنے رکھ کر موجودہ دور کے ظالم وفاسق حکمرانوں کے بارے میں امتِ مسلمہ کو کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے،اس کو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

ذیل میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

یَکُوْنُ بَعْدِیْ أَئِمَّةٌ لاَ یَهْتَدُوْنَ بِهُدَایَ وَلاَ یَسْتَنُّوْنَ بِسُنَّتِیْ وَسَیَقُوْمُ فِیْهِمْ رِجَالٌ قُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الشَّیَاطِیْنِ فِیْ جُثْمَانِ إِنْسٍ . قَالَ قُلْتُ کَیْفَ أَصْنَعُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنْ أَدْرَکْتُ ذٰلِکَ قَالَ تَسْمَعُ وَتُطِیْعُ لِلْاَمِیْرِ وَإِنْ ضُرِبَ ظَهْرُکَ وَأُخِذَ مَالُکَ فَاسْمَعْ وَأَطِعْ (مسلم،کتاب الامارة، رقم الحدیث ۱۸۴۷ ”۵۲“، باب الأمر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن)

ترجمہ: میرے بعد ایسے حکمران آئیں گے، جو میری ہدایت پرنہیں چلیں گے،اور میری سنت پر کاربندنہیں ہوں گے،اوران میں ایسے لوگ بھی موجود ہوں گے،جن کے دل انسانوں کے بدن میں شیطانوں کے دل ہوں گے،حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول!اگر میں ایسا زمانہ پاؤں تو کیا کروں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حکمران کی بات سنتے رہنا،اور مانتے رہنا،چاہے تمہاری کمر توڑ دی جائے (یعنی ظلم کی شدت برداشت کرنی پڑے)اورتمہارے مال پر (ٹیکس وغیرہ کی شکل میں)قبضہ کرلیا جائے،تب بھی سننے اور مانتے رہنا(مسلم)

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے قریب ایسے حکمران ہوں گے، جو دین کے علم اور دین میں دی گئی ہدایات سے ناواقف ہوں گے، اور اسلام کے احکامات اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے سے محروم ہوں گے، جس کی وجہ سے اُن کے دلوں میں اسلام کی عظمت اور محبت نہیں ہوگی، بلکہ اُن کے دل گمراہی، ظلم اور سختی میں شیطانوں کے دل کی طرح ہوں گے، اور جس طرح شیطان کا کام مکروفریب کرنا ہے، اسی طرح یہ لوگ بھی مکروفریب اور حق وباطل کو گڈمڈ کریں گے۔

ایسے ظالم اور گناہ گار حکمرانوں کے خلاف بھی مسلح بغاوت، یا خروج جائز نہیں، بلکہ ظالم اور گناہ گار حکمرانوں کی اطاعت بھی واجب ہے، جب تک کوئی گناہ والا کام نہ ہو، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی روایت میں مروی ہے کہ:

قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَمَا تَرٰى إِنْ أَدْرَكَنِيْ ذٰلِكَ؟ قَالَ : تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَإِمَامَهُمْ، فَقُلْتُ : فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلَا إِمَامٌ؟ قَالَ: فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا، وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ عَلٰى أَصْلِ شَجَرَةٍ حَتّٰى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلٰى ذٰلِكَ (مسلم،رقم الحديث ۱۸۴۷ "۵۱"، باب الأمر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن وتحذير الدعاة إلى الكفر)

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر یہ فتنہ مجھے پالے، تو میں کیا کروں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کی جماعت کو اور ان کے امام (یعنی حکمران) کو لازم کرلینا، میں نے عرض کیا کہ اگر مسلمانوں کی نہ تو کوئی جماعت ہو، اور نہ ہی کوئی امام (وحکمران) ہو (تو اس وقت کیا حکم ہوگا؟) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر ان تمام فرقوں (اور دھڑوں) سے علیٰحدہ ہو جانا، اگرچہ آپ کو موت آنے تک درخت کی جڑوں کو کاٹنا پڑے، اور آپ اسی حالت پر ہوں (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ فتنوں واختلافِ شدید کے دور میں مسلمان حکمران اور اس کی جماعت کے ساتھ وابستہ رہنے میں خیر ہوگی، اور اگر سر پر کوئی مسلمان حکمران نہ ہو، اور لوگ ایک دوسرے کے ساتھ گتھم گتھا ہوں، حق جماعت کا بھی امتیاز نہ ہو، تو ان سب سے الگ تھلگ رہ کر اللہ اللہ کرنے میں خیروعافیت ہوگی، اگرچہ وہ سخت مجاہدہ وجفاکشی والی حالت کیوں نہ ہو، ایسی حالت میں کسی بھی

طرف سے مسلمانوں کو قتل کرنے میں حصہ دار بننے میں خیر نہیں ہوگی۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: لَا نَسْأَلُکَ عَنْ طَاعَةِ مَنِ اتَّقٰى وَلٰكِنْ مَنْ فَعَلَ وَفَعَلَ فَذَكَرَ الشَّرَّ فَقَالَ : اِتَّقُوْا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا وَأَطِيْعُوْا (السنة لابنِ ابی عاصم، رقم الحديث ١٠٦٩، المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ٢٤٠)

ترجمہ: ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم متقی (اور نیک حکمران) کا کہنا ماننے کے بارے میں آپ سے سوال نہیں کرتے، لیکن جو (حکمران) ایسے اور ویسے شر والے کام کرے (یعنی ظالم و گناہ گار ہو، اس کے کہنا ماننے کا آپ سے سوال کرتے ہیں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرو، اور اس (طرح کے شریر حکمران) کی بات بھی سنو اور اس کا کہنا بھی مانو (ابنِ ابی عاصم، طبرانی)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَأَلَ سَلَمَةُ بْنُ يَزِيْدَ الْجُعْفِيُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، أَرَأَيْتَ إِنْ قَامَتْ عَلَيْنَا أُمَرَاءُ يَسْأَلُوْنَا حَقَّهُمْ وَيَمْنَعُوْنَا حَقَّنَا، فَمَا تَأْمُرُنَا؟ فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ سَأَلَهُ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ سَأَلَهُ فِي الثَّانِيَةِ أَوْ فِي الثَّالِثَةِ، فَجَذَبَهُ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ، وَقَالَ: اِسْمَعُوْا وَأَطِيْعُوْا، فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوْا، وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ (مسلم، رقم الحديث ١٨٤٦ "٤٩")

ترجمہ: حضرت سلمہ بن یزید جعفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! اگر ہمارے اوپر ایسے امراء (وحکمران) قائم ہو جائیں، جو ہم سے اپنے حق کا تو مطالبہ کریں، اور ہمارا حق ادا نہ کریں (یعنی ہماری حق تلفی اور ہم پر جانی و مالی ظلم کریں) تو آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض فرمایا، انہوں نے دوبارہ سوال کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پھر اعراض فرمایا، پھر انہوں نے دوسری، یا تیسری مرتبہ سوال کیا، تو ان کو حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف کھینچ لیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ان (حکمرانوں) کی بات سنو، اور ان کی اطاعت کرو، کیونکہ ان (حکمرانوں)

پر ان کے اعمال لادے جائیں گے، اور تمہارے اوپر تمہارے اعمال لادے جائیں گے (مسلم)

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ:

أَنَّهُ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنْ كَانَ عَلَيْنَا أُمَرَاءُ يَعْمَلُوْنَ بِغَيْرِ طَاعَةِ اللّٰهِ؟ فَقَالَ : عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوْا وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ (التاريخ الكبير للبخاری، رقم الحديث ۴۴)

ترجمہ: انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر (آپ کے بعد) ہمارے اوپر، ایسے اُمراء (وحکمران) آجائیں، جو اللہ کے حکم کے خلاف عمل کریں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان (حکمرانوں) پر ان کے اعمال لادے جائیں گے، اور تمہارے اوپر تمہارے اعمال لادے جائیں گے (تاریخ کبیر)

مطلب یہ ہے کہ حکمران اپنی ذمہ داریوں کے مکلّف ہیں، اور عوام ورعایا اپنی ذمہ داریوں کے مکلّف ہیں، دونوں پر ایک دوسرے کے حقوق ہیں، جو بھی اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کرے گا، اُس کا اُسی سے مؤاخذہ ہوگا، اور اگر ایک فریق اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں کوتاہی کر رہا ہے، تو اُس کے نتیجہ میں دوسرے فریق کو اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کرنا جائز نہیں ہوجاتا۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ رَأٰى مِنْ أَمِيرِهٖ شَيْئًا فَكَرِهَهٗ فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهٗ لَيْسَ أَحَدٌ يُفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَيَمُوْتُ، إِلَّا مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً (بخاری، رقم الحديث ۷۱۴۳، باب السمع والطاعة للإمام ما لم تكن معصية، مسلم، رقم الحديث ۱۸۴۹ "۵۵")

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی اپنے امیر (حاکم اور حکمران) سے کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے، تو اس کو صبر کرنا چاہیے، اس لئے کہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی باہر ہوا، پھر وہ فوت ہوگیا، تو وہ جاہلیت کی موت مَرے گا (بخاری، مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً وَأُمُورًا تُنْكِرُونَهَا قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَدُّوا إِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ وَسَلُوا اللَّهَ حَقَّكُمْ (بخاری، رقم الحدیث ۶۵۲۹)

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم عنقریب میرے بعد خود غرضی اور ایسے کام دیکھو گے جن کو تم برا سمجھو گے، تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں (ایسے موقع پر) کیا حکم دیتے ہیں؟ تو رسول اللہ نے فرمایا کہ تم ان کا حق ادا کرو، اور اللہ سے اپنے حق کی دعاء کرو (بخاری)

مطلب یہ ہے کہ رعایا پر حکمرانوں کے حقوق کی ادائیگی واجب ہے، جہاں تک اپنے حقوق کا تعلق ہے، تو ان کے لئے اللہ احکم الحاکمین کی طرف رجوع کرنا چاہیے، اور صبر سے کام لینا چاہیے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْأَنْصَارِ إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوْا حَتّٰى تَلْقَوْنِي وَمَوْعِدُكُمُ الْحَوْضُ (بخاری، رقم الحدیث ۳۷۹۳)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار صحابہ سے فرمایا کہ تم کو میرے بعد خود غرضی (والے حکمرانوں) سے سابقہ پڑے گا، تو تم (ایسے وقت) صبر کرنا، یہاں تک کہ تم میرے ساتھ ملاقات کرلو، جس کا مقام حوضِ کوثر ہے (پھر ہر ایک کو اس کا حق دلوایا جائے گا) (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

نَهَانَا كُبَرَاؤُنَا مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَسُبُّوْا أُمَرَاءَكُمْ وَلَا تَغِشُّوْهُمْ وَلَا تَبْغَضُوْهُمْ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ وَاصْبِرُوْا فَإِنَّ الْأَمْرَ قَرِيْبٌ (السنة لابنِ ابی عاصم، رقم الحدیث ۱۰۱۵)

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں سے ہمارے بڑوں نے منع فرمادیا ہے، تم اپنے حکمرانوں کو سب وشتم نہ کرو، اور نہ ان کے ساتھ دھوکہ دہی کرو، اور نہ ان کے ساتھ بغض رکھو، اور تم اللہ سے ڈرو، اور (حکمرانوں کی طرف سے پیش آمدہ

www.idaraghufran.org

آزمائشوں پر) صبر کرو، پس (اس طرح کرنے کے نتیجہ میں) معاملہ (یعنی کامیابی اور آزمائش سے نجات) قریب ہے (السنہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلاَ سَمْعَ وَلاَ طَاعَةَ (بخاری، رقم الحديث ۷۱۴۴، باب السمع والطاعة للإمام ما لم تكن معصية)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان آدمی پر (امیر وحکمران کی بات کو) سُننا اور اطاعت کرنا ان چیزوں میں جو ناپسند ہوں یا پسند ہوں واجب ہے، جب تک کہ اُسے گناہ کا حکم نہ دیا جائے، پس جب گناہ کی بات کا حکم دیا جائے، تو نہ سننا ہے اور نہ ہی اطاعت کرنا ہے (بخاری)

یعنی گناہ گار حکمران کے خلاف بھی خروج تو جائز نہیں، البتہ گناہ والے کام میں اس کی اطاعت سے بچنے، اور اس پر دل سے راضی ہونے سے اجتناب کا حکم ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَيَكُوْنُ مِنْ بَعْدِيْ خُلَفَاءُ، يَعْمَلُوْنَ بِمَا يَعْلَمُوْنَ، وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ، وَسَيَكُوْنُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلَفَاءُ، يَعْمَلُوْنَ مَالاَ يَعْلَمُوْنَ، وَيَفْعَلُوْنَ مَالاَ يُؤْمَرُوْنَ، فَمَنْ أَنْكَرَ بَرِيءَ، وَمَنْ أَمْسَكَ سَلِمَ، وَلٰكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۶۶۵۸)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد خلفاء (وحکمران) ہوں گے، جو اپنے علم کے مطابق عمل کریں گے، اور وہ کام کریں گے جس کا ان کو حکم دیا جائے گا، لیکن ان کے بعد ایسے خلفاء (وحکمران برآمد) ہوں گے، جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کریں گے، اور وہ کام کریں گے، جن کا ان کو حکم نہیں دیا جائے گا، تو جس نے (زبان ودل سے حسبِ قدرت ان کے برے کاموں پر) نکیر کی، تو وہ بری ہوگیا، اور جو

(ان کے برے اعمال کی اتباع اور دل سے اچھا سمجھنے سے) رُکا رہا، وہ سلامت رہا، لیکن جو (گناہ کے کام پر) راضی ہوگیا، اوراس نے (گناہ کے کام میں) اتباع کی (وہ نہ بریٔ ہوا اور نہ سلامت رہا) (ابنِ حبان)

معلوم ہوا کہ بدعمل حکمرانوں کی بداعمالیوں سے بچنے اوران پر حسبِ قدرت نکیر کرنے والا بری الذمہ ہے، لیکن برے کاموں سے راضی ہونے، اوران کی اتباع کرنے والا بری نہیں۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : یا عُبَادَۃُ" قُلْتُ : لَبَّیْکَ قَالَ اِسْمَعْ وَأَطِعْ فِیْ عُسْرِکَ وَیُسْرِکَ وَمَکْرَھِکَ، وَأَثَرَۃٍ عَلَیْکَ، وَإِنْ أَکَلُوْا مَالَکَ، وَضَرَبُوْا ظَھْرَکَ إِلَّا أَنْ تَکُوْنَ مَعْصِیَۃً لِلّٰہِ بَوَّاحًا (صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ۴۵۶۶)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبادہ! میں نے عرض کیا کہ لبیک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (حکمران کی بات) سنو اور اطاعت کرو (یعنی کہنا مانو) مشکل میں اور آسانی میں اور ناپسندیدہ حالت میں، اورآپ پر (حکمرانی اور متعلقہ حقوق کے معاملہ میں) کسی کو ترجیح دیئے جانے میں، اگرچہ وہ (حکمران) تمہارا مال کھائیں، اور تمہاری پیٹھ پر ماریں، مگر یہ کہ وہ اللہ کی کھلی معصیت (ونافرمانی اور گناہ) ہو (اس میں ان کی اطاعت نہ کرنا) (ابنِ حبان)

مطلب یہ ہے کہ جب حکمران کی طرف سے ایسے گناہ والے کام کا حکم دیا جائے، جس کا گناہ ہونا قطعی ہے، تو پھر اس میں اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی، اس سے وہ کام خارج ہوگئے، جن کا گناہ ہونا نہ ہونا اجتہادی واختلافی ہے، جیسا کہ کوئی کام ایک مجتہد وفقیہ کے نزدیک جائز ہے، اور دوسرے کے نزدیک ناجائز ہے، تو اس میں حاکم کی اطاعت کا حکم ہے، اسی سے یہ مسئلہ اخذ کیا گیا ہے کہ "حکمِ حاکم، رافعِ اختلاف ہوتا ہے"۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ فِي

الْـمَـنْـشَـطِ وَالْمَكْرَهِ، وَأَنْ لاَ نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ، وَأَنْ نَقُومَ أَوْ نَقُولَ بِالْحَقِّ حَيْثُمَا كُنَّا، لاَ نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لاَئِمٍ (بخاری،رقم الحدیث ۷۱۹۹)

ترجمہ: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (امیر وحاکم کی بات) سُننے اوراطاعت کرنے (یعنی کہنا ماننے) کی بیعت کی، تنگی میں اورآسانی میں، اورخوشی وناخوشی میں اورہم پرکسی (نااہل حکمران اورہمارے حقوق پر دوسرے) کو ترجیح دیئے جانے (کے وقت) میں، اوراس بات پر کہ ہم امیروں (وحکام) سے حکومت کے معاملات میں جھگڑانہ کریں گے (یعنی حکومت کے عہدہ کا خوداس سے اپنے لئے مطالبہ نہ کریں گے) اوراس بات پر کہ ہم جہاں بھی ہوں گے، حق بات کہیں گے، اللہ کے معاملہ میں ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ رکھیں گے (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ جب حکمران کی طرف سے کوئی بات خلافِ شریعت، یعنی واضح گناہ والی ہو، جیسا کہ گذشتہ روایت میں گذرا، تو اس میں حاکم کی اطاعت نہیں ہوگی، بلکہ بشرطِ قدرت اس کو بیان کرنے کا حکم ہوگا، تاکہ حکمران کو اس کا گناہ ہونا معلوم ہوجائے، اوراگر وہ ہدایت حاصل کرنا چاہتا ہے، تو اس کے لئے رہنمائی کا سامان ہوجائے۔

اوراگراس کی قدرت نہ ہو، تو پھراس کام سے راضی نہ ہونا، اوراس کودل سے براسمجھنا کافی ہوگا، جیسا کہ پہلے حدیث میں گذرا۔

حضرت جنادہ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

دَخَلْنَا عَلٰى عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، وَهُوَ مَرِيضٌ، قُلْنَا: أَصْلَحَكَ اللّٰهُ، حَدِّثْ بِحَدِيثٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهِ، سَمِعْتَهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: دَعَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ، فَقَالَ فِيمَا أَخَذَ عَلَيْنَا: أَنْ بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا، وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا وَأَثَرَةً عَلَيْنَا، وَأَنْ لاَ نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ، إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا، عِنْدَكُمْ مِنَ اللّٰهِ فِيهِ بُرْهَانٌ (بخاری،رقم الحدیث ۷۰۵۵،۷۰۵۶)

ترجمہ: ہم حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اوروہ بیمار تھے،

ہم نے عرض کیا کہ اللہ آپ کوتن درست کرے ہم سے کوئی ایسی حدیث بیان کیجئے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو، جس سے اللہ نے آپ کو خاص نفع عطا فرمایا ہو، تو انہوں نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور جن چیزوں کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نے بیعت کی ،وہ یہ تھے کہ ہم (حاکم وحکمران کی) بات سننے اور اطاعت کرنے (اور کہنا ماننے) کی پابندی کریں گے، اپنی خوشی اور ناخوشی میں، تنگی اور آسانی میں اور ہم پر (دوسرے حکمرانوں، یالوگوں کو) ترجیح دیئے جانے میں، اوراس بات پر کہ ہم حکام سے جھگڑا نہ کریں گے، سوائے اس کے کہ تم واضح طور پر کفر دیکھو، جس کی تمہارے پاس اس کے کفر ہونے پر اللہ کی طرف سے کوئی برھان (یعنی مضبوط دلیل) موجود ہو(بخاری)

یعنی جب حکمران کی طرف سے ایسا واضح کفر سامنے آ جائے کہ جس میں کفر سے بچانے والی کوئی تاویل بھی ممکن نہ ہو، تو پھر بشرطِ قدرت اس کے خلاف خروج کی گنجائش ہوگی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ قَالَ : إِنَّهٗ يُسۡتَعۡمَلُ عَلَيۡكُمۡ أُمَرَاءُ، فَتَعۡرِفُوۡنَ وَتُنۡكِرُوۡنَ، فَمَنۡ كَرِهَ فَقَدۡ بَرِءَ، وَمَنۡ أَنۡكَرَ فَقَدۡ سَلِمَ، وَلٰكِنۡ مَنۡ رَضِيَ وَتَابَعَ، قَالُوۡا: يَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ، أَلَا نُقَاتِلُهُمۡ؟ قَالَ: لَا، مَا صَلَّوۡا، أَيۡ مَنۡ كَرِهَ بِقَلۡبِهٖ وَأَنۡكَرَ بِقَلۡبِهٖ (مسلم، رقم الحديث ١٨٥٤ ”٦٣“)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر ایسے حکمران مقرر کئے جائیں گے کہ جن کو (ان کے بعض اعمال واقوال کے بہتر ہونے کی وجہ سے) تم اچھا سمجھو گے، اور (ان کے بعض اعمال واقوال کے برا ہونے کی وجہ سے) برا سمجھو گے، پس جس نے (ان کے برے اعمال واقوال کو) اپنے دل سے ناپسند کیا وہ بری ہوگیا اور جس نے اپنے دل سے (ان کے برے اعمال واقوال کا) انکار کیا وہ سلامت رہا لیکن جو (ان کے برے اعمال واقوال سے) راضی ہوا، اور (ان کے بُرے اعمال واقوال کی) اتباع کی (وہ بری نہیں ہوگا اور نہ محفوظ رہے گا) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہم

ان سے جنگ نہ کریں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، جب تک وہ نماز ادا کرتے رہیں (مسلم)

قاضی عیاض اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أفلا نقاتلهم؟ قال " :لا، ما صلوا "على ما تقدم من منع الخروج على الأئمة والقيام عليهم ما داموا على كلمة الإسلام، ولم يظهروا كفرا بينا، وهو الإشارة هاهنا " :ما صلوا "، أى ما كان لهم حكم أهل القبلة والصلاة، ولم يرتدوا ويبدلوا الدين ويدعوا إلى غيره (إِكمَالُ المُعْلِمِ بفَوَائِدِ مُسْلِم، جلد٦،صفحه٢٦٥)

ترجمہ: سوال کیا کہ کیا ہم ان حکمرانوں سے قتال نہ کریں،تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، جب تک وہ نماز پڑھیں، جیسا کہ پہلے گذر چکا کہ حکمرانوں کے خلاف نکلنا، اوران کے خلاف کھڑا ہونا جائز نہیں، جب تک وہ کلمہ اسلام پر قائم رہیں، اور کھلم کھلا کفر کا اظہار نہ کریں، اور یہاں بھی نماز پڑھنے سے اسی طرف اشارہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک ان کو اہلِ قبلہ واہلِ صلاۃ کا حکم حاصل رہے، اور وہ مرتد نہ ہوجائیں، اور دین کو تبدیل نہ کرلیں، اور دینِ اسلام کے علاوہ کی طرف دعوت نہ دینے لگیں (اکمال المعلم)

اور جب یہ معلوم ہوچکا کہ جب تک حکمران ''اہلِ قبلہ'' میں داخل ہوں، ان کے خلاف خروج اور علمِ بغاوت بلند کرنا درست نہیں، تو جن فرقوں کو فقہائے مجتہدین نے اہلِ قبلہ میں داخل مانا ہے، ان فرقوں سے تعلق رکھنے والے حکمرانوں کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ ان کے خلاف بھی خروج منع ہے، اور جائز امور میں ان کی اتباع واجب ہے۔

اور اس حکم میں وہ مسلم وظالم حکمران بھی داخل ہیں، جو لوگوں کی رضامندی کے بغیر ان پر مسلط ہوکر، یا شخصی حکومت قائم کرکے، یا کسی طرح سے بھی خیانت کا ارتکاب کرکے حکمران بن بیٹھیں، کیونکہ ان کے خلاف خروج کرنا، مسلمانوں کی خون ریزی، باہمی خانہ جنگی، اور بدامنی وغیرہ کا باعث ہے۔

علامہ ابنِ عابدین شامی ''ردُّ المحتار'' میں فرماتے ہیں کہ:

أهل الهوى أهل القبلة الذين لا يكون معتقدهم معتقد أهل السنة، وهم الجبرية

www.idaraghufran.org

والقدرية والروافض والخوارج والمعطلة والمشبهة، وكل منهم اثنتا عشرة فرقة فصاروا اثنين وسبعين (ردالمحتار على الدر المختار، ج٦،ص٦٩٨،كتاب الوصايا،فصل في وصايا الذمي وغيره)

ترجمہ: اہلِ ھواء، وہ اہلِ قبلہ ہیں، جن کے عقائد اہلُ السنۃ کے عقیدہ کے مطابق نہ ہوں، اور وہ جبریہ اور قدریہ اور روافض اور خوارج اور معطلہ اور مشبہۃ ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کے بارہ فرقے ہیں، اور اس طرح سے بہتّر فرقے بن جاتے ہیں (ردالمحتار)

افسوس کہ آج مسلمانوں میں بعض ایسے تشدد وانتہاء پرست گروہ پائے جاتے ہیں، جو مسلمان حکمرانوں کے بعض کردار کو کفر سمجھ کر ان کے خلاف مسلح کارروائی شروع کردیتے ہیں، اور ان کی حکومت وریاست کو کمزور کرنے کے لئے سرکاری اہل کاروں واداروں پر حملہ آور ہونے لگتے ہیں، اور اس کو جہادِ عظیم تصور کرتے ہیں، جس کی خاطر وہ شہادت کے عظیم فضائل کو سامنے رکھ کر اپنی قیمتی جانوں کے نذرانے بھی پیش کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

اس قسم کے جملہ مسلم گروہوں کو مذکورہ ہدایات وتعلیمات کو سامنے رکھ کر اپنی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے۔

مقالات ومضامین

مفتی محمد رضوان

افادات وملفوظات

تشبہ بالکفار، اورکوٹ، پینٹ کاحکم

(15- شعبان-1444ھ)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

جہاں کوئی بات کسی کی وضع کی ہو، اور یہ معلوم ہوتا ہو کہ یہ بات کفار میں ہے اور کفار کی خصوصیت کی طرف ذہن جاتا ہو، توتشبہ ہوگا، ورنہ نہیں۔ایک صاحب نے عرض کیا کہ جو شخص لندن میں مسلمان ہوا، اور وہ وہاں کوٹ، پتلون پہنے، تو تشبہ ہوگا، یا نہیں؟ اس پر فرمایا کہ تشبہ وہاں نہ ہوگا، کیونکہ وہاں یہ نہیں سمجھا جاتا کہ یہ غیر قوم کا لباس ہے، وہاں توسب کا لباس یہی ہے، کوئی امتیاز نہیں، اگر یہاں بھی کوٹ پتلون عام ہوجائے کہ ذہن میں خصوصیت جاتی رہے، تو ممنوع نہ ہوگا (اشرف الاحکام ص ۱۹۱ ”لباس کے احکام“ بحوالہ ”حسن العزیز، ج۳، ص۴۵۳“ مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور، کراچی، تاریخ طبع:۱۴۲۴ھ)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ کوٹ، پینٹ پہننے کے ناجائز ہونے کی بنیادی وجہ کافروں کے ساتھ تشبہ تھی، اسی لئے پہلے زمانہ میں اس پر زیادہ سختی کی جایا کرتی تھی، لیکن بعد میں جب اس کا استعمال عام ہونے لگا، اور مسلمانوں میں بھی اس کا رواج ہوگیا، تو وہ شدت باقی نہیں رہی، اور آج کے دور میں عموم اور بھی زیادہ ہوگیا، اور وہ خصوصیت باقی نہیں رہی، اس لئے اب اس میں سختی کرنا، اور کافروں کی تشبہ کا حکم لگانا، درست نہیں، البتہ بہت چست لباس جو جسم کے ساتھ چپکا ہوا ہو، اس میں کراہت ہے، پس اگر کوئی پینٹ شرٹ کچھ ڈھیلی پہنے، تو اس میں یہ کراہت نہ ہوگی، اور جہاں تک مرد کو ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے کا مسئلہ ہے، تو وہ اگر تکبر کی نیت سے ہو، تو بلاشبہ ناجائز ہے، اور تکبر کی نیت نہ ہو، تو پھر اس کے گناہ ہونے، نہ ہونے میں اختلاف ہے، اور دلائل دونوں طرف

ہیں جس کی تفصیل ہم نے دوسری تالیف میں بیان کردی ہے، اس لئے اس اختلافی واجتہادی مسئلہ میں بھی شدت مناسب نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں کوٹ، پینٹ کو کافروں کے ساتھ تشبہ کی وجہ سے ناجائز قرار دینا درست نہیں۔ آج ہمارے بہت سے علماء اس قسم کے مسائل میں عرف سے نابلد ہونے کی وجہ سے شدت اختیار کرتے ہیں، اور پھر وہ بدنام ہوتے ہیں، اور عوام ان سے متنفر ہوتے ہیں، اور جب لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ اس شدت پسند عالم کا تعلق فلاں مسلک سے ہے، تو بعض اوقات اس پورے مسلک سے ہی متنفر اور متوحش ہوجاتے ہیں۔

کسی کو بزرگ ماننے، یا نہ ماننے کی حیثیت

(18-شعبان-1444ھ)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

> کسی شخص کو ظناً ولی اللہ کہنا اور سمجھنا جائز ہے، ہاں یقین کرنا کہ فلاں شخص ولی اللہ ہے، صحیح نہیں (اشرفُ الاحکام،ص۴۲''عقائد وایمان'' بحوالہ''اسعد الابرار،ملفوظ نمبر۸''مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور، کراچی، تاریخِ طبع:۱۴۲۴ھ)

اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

> بجز منصوص علیہ حضرات کے کسی خاص بزرگ کا نہ معتقد ہونا، فرض ہے، اور نہ برا بھلا کہنا جائز (اشرفُ الاحکام،ص۴۴''عقائد وایمان'' بحوالہ''الافاضات الیومیہ، ج۷،ص۶۰۳''مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور، کراچی، تاریخِ طبع:۱۴۲۴ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک فریق کسی کو اللہ کا ولی سمجھتا ہو، تو دوسرے فریق پر واجب نہیں کہ وہ بھی اس کو ولی اللہ سمجھے، البتہ اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس بزرگ کی شان میں بے ادبی وگستاخی کا ارتکاب کرے، ہاں اگر اس کو اس بزرگ سے کسی مسئلہ میں علمی اعتبار سے اختلاف ہو، تو اس کا دلائل سے رد کرنا جائز ہے۔

چنانچہ اس طرح کے بہت سے حضرات تاریخِ اسلام میں موجود ہیں، جن کی علمی خدمات پر ایک

فریق ان حضرات کو ولی اللہ تصور کرتا ہے،لیکن دوسرا فریق ان حضرات سے بعض علمی مسائل میں اختلاف کی وجہ سے ان کو ولی اللہ نہیں سمجھتا،اس میں کوئی عیب کی بات نہیں،ہر فریق کی عقیدت کا معیارا الگ ہوسکتا ہے۔

لیکن اس اختلاف وعدمِ عقیدت کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کا ارتکاب بھی جائز ہو،اور اگر کوئی چیز فی نفسہ جائز بھی فرض کر لی جائے،لیکن اس کے ارتکاب سے مسلمانوں میں باہم تفریق پیدا ہوتی ہو،تب بھی اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اگر سب مسلمان اس اصول پر عمل کرنے لگیں ہے،تو اس سے آپس میں پیدا شدہ رنجشوں کا خاتمہ ہوسکتا ہے،مثلاً جو لوگ مسلکِ دیوبند سے وابستہ ہیں،وہ اپنے سلسلہ کے کئی بزرگوں کو ولی سمجھتے ہیں،اوران کی مدح وسرائی کرتے ہیں،لیکن اہلِ حدیث اوراسی طرح بریلوی مکاتبِ فکر کے ان حضرات کو ولی نہیں سمجھتے،جن کو ان مکاتبِ فکر سے وابستہ افراد ولی سمجھتے ہیں۔

یہی صورتِ حال اہلِ حدیث اور بریلوی مکاتبِ فکر سے وابستہ لوگوں کی بھی ہے۔

تو اس حد تک کوئی برائی والی بات نہیں،ہر شخص کو اپنے مکاتبِ فکر کے بزرگوں سے خاص عقیدت ہوا کرتی ہے،جو دوسرے مکاتبِ فکر کے بزرگوں سے نہیں ہوا کرتی۔

لیکن جب دوسرے مکاتبِ فکر کے بزرگوں کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کا ارتکاب کیا جاتا ہے،تو اس کی وجہ سے آپس میں رنجشیں اور دوریاں پیدا ہونے لگتی ہیں۔

اگر ہر مکتبِ فکر سے وابستہ فرد اس طرزِ عمل کو ترک کردے،اور علمی اعتبار سے سنجیدہ تحقیق کو اختیار کرے،جس میں وہ محض دوسرے فریق اور دوسرے مکتبِ فکر ہونے کی بنیاد پر اس کی تردید نہ کرے،بلکہ دلائلِ صحیحہ کی رو سے دوسرے کی جو بات حق وصواب محسوس ہو،اس کو قبول کرے،اور دلائلِ صحیحہ کی رو سے اپنے سلسلہ کی جو بات مرجوح اور غیر صواب محسوس ہو،اس کو اسی درجہ میں رکھے،خواہ مخواہ اس کو صواب اور راجح قرار دینے کی جدوجہد نہ کرے،تو مسلمانوں میں باہم اتفاق واتحاد پیدا ہو جائے،اور علمی ومذہبی دنیا میں جو تماشا لگا ہوا ہے،معاشرہ،اس سے پاک ہو جائے،لیکن ظاہر ہے کہ اس کام کے لئے اپنے ظرف اور ضمیر کو وسیع کرنے اور تعصب وتحزب اور گروہ بندی سے بچانے کی ضرورت ہوگی،جو بہت مشکل کام ہے،اور اس کو ہر ایک کے لئے انجام دینا آسان نہیں۔

علم کے مینار (امت کے علماء وفقہاء: قسط 38) مفتی غلام بلال

مسلمانوں کے علمی کارناموں و کاوشوں پر مشتمل سلسلہ

فقہ مالکی، منہج، تلامذہ، کتب، مختصر تعارف (سولہواں حصہ)

گزشتہ اقساط میں فقہ مالکی کا مختصر تعارف و منہج، فقہی اصول، بنیادی مآخذ، اور اس ضمن میں امام مالک رحمہ اللہ کی مختصر سوانح حیات، فقہی ذوق اور امام مالک کے شیوخ واساتذہ اور چند کبار تلامذہ و اصحاب کا ذکر گزر چکا، جو کہ طویل اقساط پر مبنی ایک سلسلہ تھا، فقہ مالکی کے وہ اصحاب جن کا تعلق تیسری یا چوتھی صدی ہجری اور بعد کے ادوار سے ہے، کا مختصر ذکر، اور ان کی کتب و تصانیف سے متعلق کلام کا ذکر ان شاء اللہ آئندہ آنے والی اقساط میں آئے گا، آگے بڑھنے سے پہلے گزشتہ اقساط کا خلاصۂ کلام ذیل کی سطور میں پیش کیا جاتا ہے۔

مالکی مسلک

یہ اہلِ سنت والجماعت کا دوسرا بڑا فقہی مسلک ہے، جس کے بانی امام مالک بن انس رحمہ اللہ ہیں، آپ امتِ مسلمہ کے بڑے محدث، فقیہ اور ائمہ اربعہ میں سے ایک ہیں، آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں 93 ہجری میں ہوئی، اور وفات 179 ہجری میں ہوئی، جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

مالکی مسلک، حنفی مسلک کے بعد باقی مسالک پر مقدم ہے، مالکی مسلک کے بنیادی مآخذ: قرآنِ کریم، سنتِ رسول اللہ، اجماع اور اہلِ مدینہ کا عمل ہے، چونکہ اس مسلک کا مولد و منشاء مدینہ منورہ ہے، اس لیے اس مسلک کی ترویج مدینہ منورہ سے ہی ہوئی۔

مالکی مسلک کی ابتداء

امام مالک رحمہ اللہ مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے، اور آپ نے زیادہ تر علمی استفادہ بھی علمائے حجاز سے ہی کیا تھا، علمائے مدینہ کی احادیث کو خوب یاد رکھتے تھے، ان کی سند بھی زیادہ قوی تھی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ جات، ابنِ عمر، حضرت عائشہ اور فقہائے سبعہ کے اقوال سب سے زیادہ جانتے تھے، اور آخر وقت تک مدینہ منورہ کو اپنا مسکن بنائے رکھا، اس لیے اس

مسلک کی ابتداء مدینہ منورہ سے ہوتی ہے۔

مالکی مسلک کی نشرواشاعت

ابتداءً یہ مسلک مدینہ منورہ سے پورے حجاز میں پھیلا، پھر بصرہ، مصر، افریقہ، اندلس، یمن، بلادِ فارس، بلادِ روم اور بلادِ شام کے مختلف علاقوں میں پھیلا، اوراس وقت بھی اس فقہ کے پیروکاروں کی کثیر تعداد موجود ہے، لیکن مالکی فقہ کا رواج مغربی افریقہ، اندلس اور ملحقہ علاقوں میں زیادہ ہوا، اور آج بھی اس مسلک کے پیروکار افریقہ ودیگر ملحقہ ممالک میں کثیر تعداد میں موجود ہیں۔

امام مالک کی فقہی خدمات پرایک نظر

امام مالک رحمہ اللہ کا شمار فقہائے احادیث میں ہوتا ہے، ان کا فقہی مسلک اہلِ مدینہ تھا، خاص طور پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے مطابق تھا، آپ کے پہلے استاد ''ربیعہ رائی'' ہیں، جبکہ دوسرے بڑے استاد ابنِ شہاب زہری اور نافع ہیں۔

آپ ذہانت، محنت اور ذوق وشوق کی بناء پر سترہ سال کی عمر میں جملہ دینی علوم میں درجۂ کمال کو پہنچ گئے تھے، اور اسی عمر میں آپ اپنے اساتذہ وشیوخ کی اجازت سے مسندِ درس وافتاء پر بیٹھے۔

دینی علوم میں درجۂ کمال کی وجہ سے آپ اپنے کئی شیوخ کی حیات میں بھی فتویٰ بھی دیا کرتے تھے، اور آپ کے حلقۂ درس وافتاء میں آپ کے اساتذہ وشیوخ بھی شریک ہوتے تھے، منقول ہے کہ آپ کا ایک حلقہ درس مسجدِ نبوی میں ہوا کرتا تھا، جبکہ دوسرا حلقۂ درس وادیٔ عقیق کے مقام پر ہوتا تھا۔

امام مالک رحمہ اللہ کی درسگاہ سے دینی وعلمی فیض یافتہ طلباء واصحاب کی تعداد بہت زیادہ ہے، خود امام شافعی نو برس تک آپ سے شرفِ تلمذ حاصل کرتے رہے، قاضی عیاض نے ترتیب المدارک میں آپ کے جن تلامیذ واصحاب کا ذکر کیا ہے، ان کی تعداد تیرہ سو (۱۳۰۰) سے زائد بنتی ہے۔

جن میں چند قابلِ ذکر شخصیات یہ ہیں:

"عبدالرحمن بن قاسم، عبداللہ بن وھب، أشھب بن عبدالعزیز، ابنُ الماجشون، اسد بن فرات، علی بن زیاد، علی بن زیاد الاسکندرانی، عبداللہ بن عبدالحکم، یحییٰ مصمودی، سحنون، عبدُ الملک بن حبیب، محمد بن احمد العتبی، محمد بن عبداللہ بن عبد الحکم"۔

www.idaraghufran.org

مؤطاامام مالک

احادیث نبوی میں آپ کی اپنی سند سے جمع کردہ احادیث کے نسخے کو ''مؤطا امام مالک'' کے نام سے جانا جاتا ہے، ''مؤطا امام مالک'' کو حدیث کی کتابوں میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے، جو کہ احادیث کی کتابوں اور خاص طور پر مالکی مسلک میں ایک بنیادی اور ابتدائی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ کے زمانہ میں فقہ وحدیث کی تدوین کا کام شروع ہو چکا تھا، اور اس دوران کئی علماء وفقہاء نے کتابیں مدون کیں، مگر ''مؤطا امام مالک'' کو ان میں ایک خاص مقام حاصل ہے، اور اس کتاب کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے امام مالک رحمہ اللہ واحد شخصیت ہیں کہ جنہوں نے خود اس کتاب کو تالیف فرمایا، اور آپ کی یہ تصنیف، فنِ حدیث سے متعلق آج بھی امت کے ہاتھوں میں موجود ہے، جبکہ باقی ائمہ ثلاثہ کی طرف منسوب کتب ان کی اپنی تالیف کردہ نہیں ہیں، بلکہ ان کے اصحاب وشاگردوں کی جمع کردہ روایات پر مبنی ہیں، البتہ ''مسند احمد'' جو کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تالیف کردہ ہے، مگر اس کی موجودہ ترتیب خود ان کی اپنی نہیں ہے۔ موطأ فقہ کی کتاب بھی ہے اور حدیث کی بھی، کیونکہ یہ کتاب مرفوع احادیث کے علاوہ بہت سے فقہی احکام پر مبنی فقہاء صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے فتاوی، فیصلہ جات اور اجتہادات سے بھی مالا مال ہے، فقہ اور اصول فقہ کے بارے میں امام مالکؒ کے نقطہ نظر کو واضح کرتی ہے۔ چنانچہ محدثین کے نزدیک احادیث کو نقل کرنے کے باب میں ''مالک عن نافع عن ابنِ عمر'' کی سند، انتہائی قابلِ اعتبار، مضبوط اور سلسلۃ الذہب شمار ہوتی ہے، یعنی احادیث کی اسناد کی ایک ایسی سنہری کڑی، جس میں کوئی کھوٹ نہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کا فقہی ذوق اور فتویٰ دینے میں احتیاط

امام مالک رحمہ اللہ فتویٰ دینے میں بہت احتیاط فرمایا کرتے تھے، اور اس سلسلہ میں خطاء اور لغزش اور ہو جانے سے بہت ڈرتے تھے، اکثر ''لا أدری'' (کہ میں نہیں جانتا) فرمادیا کرتے تھے، جس کا مقصد اس سوال یا فتوے میں غور وفکر اور انتہائی درجہ کی احتیاط ہوا کرتی تھی، جس کے بعد اس کا جواب آپ کی طرف سے کسی اور وقت، یا پھر کسی اور مجلس میں، یا پھر آپ کے اصحاب کی طرف سے دے دیا جاتا تھا۔

تذکرۂ اولیاء حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (قسط88) مولانا محمد ریحان

اولیاء کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

پاکستان میں مسئلہ ٹیکس اور خلافتِ عمر سے اس کا حل (قسط4)

اس سے ماقبل قسط میں خلفائے راشدین اور عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ریاستِ اسلامی کے بنیادی مالی ادارہ بیت المال کا تعارف اور اس کی مختصر تاریخ کا ذکر کیا گیا تھا۔اب بیت المال کے ذرائع آمدوخرچ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

عشر:

شریعت کی طرف سے ایک قسم کی زکاۃ مال پر عائد کی گئی ہے،اور دوسری قسم کی زکاۃ زمین کی کھیتی پر لگائی گئی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور بعد میں خلفائے راشدین کے دور میں بھی عشر ریاست کی طرف سے وصول کیا جاتا تھا،اور بیت المال میں جمع کیا جاتا تھا،جو کہ بیت المال کی آمدنی کا اہم ذریعہ تھا۔

ویسے تو عشر دسویں حصہ کو کہا جاتا ہے،لیکن عشر کی مقدار بعض صورتوں میں پیداوار کا دسواں حصہ ہوتی ہے،اور بعض صورتوں میں پیداوار کا بیسواں حصہ ہوتی ہے۔یعنی وہ زمینیں جن کو سیراب کرنے میں پانی پر محنت اور خرچہ نہیں ہوتا،جیسے بارش،چشمے،اور ایسی نہری زمینیں جن میں پانی دینے میں نہ تو محنت لگتی ہے،اور نہ ہی کھیتی تک پانی پہنچانے میں کوئی خرچہ وغیرہ آتا ہے۔ایسی زمینوں میں کھیتی اور پیداوار کا دسواں حصہ واجب ہوتا ہے۔ [1]

اور دوسری قسم کی وہ زمینیں ہوتی ہیں جن میں کھیتی تک پانی پہنچانے میں محنت یا خرچہ ہوتا ہے،جیسے کنواں،ڈول،ٹیوب ویل وغیرہ کا پانی،یا وہ نہری پانی جس کا ٹیکس یا خرچہ وغیرہ ادا کرنا پڑتا ہو۔اس طرح کی زمینوں کی پیداوار پر کھیتی کا بیسواں حصہ واجب ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس زمین کی آبیاری بارانی یا چشمے کے پانی سے ہو،اس میں دسواں حصہ ہے،اور جس کی آبیاری کلفت یعنی مشقت سے ہو،اس میں بیسواں حصہ ہے .بخاری،محمد بن اسماعیل،صحیح البخاری الجامع الصحیح(دار طوق النجاۃ،الطبعۃ الاولی)رقم الحدیث 1483

[2] شامی،ابن عابدین،الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین(دار الفکر،بیروت 1412)ج2ص332

عشر کن چیزوں میں لازم ہوتا ہے،اور عشر کا کیا نصاب ہے؟ تو اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر وہ چیز جو زمین سے اگتی ہو،سوائے جھاڑ جھنکار کے،خواہ وہ تھوڑی ہو یا زیادہ ہو،تو اس پر عشر لازم ہوتا ہے۔اور حضرت مجاہد اور عمر بن عبدالعزیز رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔اس کے برعکس صاحبین یعنی امام ابویوسف اور امام محمد اور جمہور فقہاء یعنی امام شافعی،احمد بن حنبل،اور امام مالک وغیرہ کے نزدیک کھیتی میں عشر لازم ہونے کے لئے پانچ وسق یعنی تقریبا کھیتی کا پچیس من ہونا ضروری ہے۔اس سے کم کھیتی پر عشر لازم نہیں۔ [1]

بظاہر صاحبین اور جمہور فقہائے کرام کا قول دورِ حاضر میں غریب کسانوں کے لئے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے،کیونکہ دورِ حاضر میں خصوصا پاکستان میں کسانوں کو کھاد وغیرہ مہنگی پڑتی ہے،اور سرمایہ دار طبقہ کی طرف سے انہیں ان کی فصل کی صحیح قیمت بھی نہیں ملتی۔ [2]

خراج:

اسلامی ریاست میں جیسے مسلمانوں سے ان کی زمینوں کی پیداوار پر عشر لیا جاتا ہے،ویسے ہی غیر مسلموں کی زمینوں کی پیداوار پر خراج وصول کیا جاتا ہے۔یہ بھی اسلامی ریاست میں بیت المال کی آمدنی کا ذریعہ ہے۔

عشر اور خراج کا فرق دراصل زمین کے فرق ہونے کے اعتبار سے ہے۔اسی لئے فقہائے کرام نے اس اعتبار سے زمین کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ایک قسم کی زمین عشری زمین ہے،جس پر عشر واجب ہوتا ہے،اور دوسری قسم کی زمین خراجی زمین ہے،جس پر خراج واجب ہوتا ہے۔پس ہر وہ زمین جس کا مالک بخوشی اسلام قبول کر لے،تو اس کی زمین عشری زمین کہلاتی ہے۔ [3]

---

[1] شامی،ابن عابدین،الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین(دار الفکر،بیروت 1412) ج2 ص/49، سمرقندی،علاء الدین،بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع(دار الکتب العلمیة،1406ھ) ج2ص30

[2] دلائل کی رو سے بھی جمہور فقہائے کرام کا قول زیادہ مضبوط معلوم ہوتا ہے،کیونکہ احادیث میں واضح طور پر پانچ وسق یعنی پچیس من سے کم میں عشر واجب ہونی کی نفی ہے۔دیکھئے :نیسابوری،مسلم بن الحجاج،صحیح مسلم(دار احیاء التراث العربی،بیروت)رقم الحدیث / 979 بخاری،محمد بن اسماعیل،صحیح البخاری(دار طوق النجاة 1422ھ)رقم الحدیث 1484

[3] ابو یوسف،القاضی،کتاب الخراج(المطبعة السلفیة 1382ھ)ص 69.

www.idaraghufran.org

اورعرب کی پوری سرزمین کوعشری قرار دیا گیا ہے۔کیونکہ عرب میں مسلمانوں کو ہی رہنے کی اجازت ہے،لہذا ان سب سرزمینوں پرعشر ہی لازم ہوگا۔تیسری وہ زمین جس کو مسلمان جنگ کے بعد غلبہ پا کر فتح کرلیں،اورامیر کی طرف سے وہ زمینیں سپاہیوں میں تقسیم ہوجائے،تو ایسی زمینیں بھی عشری کہلاتی ہیں۔چوتھی وہ زمین جس کو مسلمان ریاست کا امیر کسی کو تحفہ میں دے دے،تو وہ بھی عشری ہی کہلاتی ہے۔ [1]

اس کے برعکس اس طرح کا علاقہ کہ جس کو مسلمانوں نے فتح کیا ہو،اوراس علاقہ کی زمینوں کو مسلمانوں کا امیر غیر مسلموں کے پاس ہی رہنے دے،تواس طرح کی زمینیں خراجی کہلاتی ہے۔ [2]

اسی طرح مسلمانوں کا امیر کسی علاقہ میں بسنے والے غیر مسلموں کو جلاوطن کردے،تو جو زمینیں وہ چھوڑ کر جائیں گے،وہ بھی خراجی ہی کہلائیں گی۔پھر وہ زمین جو مسلمان کی ملکیت میں ہو،اوراس کو کوئی غیر مسلم خرید لے،تو وہ زمین بھی عشری زمین سے خراجی زمین بن جاتی ہے۔انہی صورتوں کی بناء پر عشری زمینوں پرعشراورخراجی زمینوں پرخراج لازم ہوتا ہے۔

عشری زمین میں عشرتو کھیتی کا دسواں یا بیسواں حصہ ہوتا ہے،جیسا کہ پہلے گزرا۔لیکن خراجی زمینوں میں خراج کھیتی کا پانچواں حصہ ہوتا ہے۔لیکن اس کی کیفیت کی تعیین حکومتِ وقت کرتی ہے کہ یہ کھیتی کا پانچواں حصہ کھیتی کی شکل میں دیا جائے یا نقدی اورسونے چاندی کی شکل میں دیا جائے۔

زحیلی،دکتور وھبة،الفقه الاسلامی وادلته(دارالفکر،سوریة دمشق) ج3ص1904

---

[1] شامی،ابن عابدین،الدر المختار وحاشیة ابن عابدین(دارالفکر،بیروت 1412) ج3ص229

[2] کاسانی،علاء الدین،بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع(دارالکتب العلمیة، 1406ھ) ج2 ص927، 928

www.idaraghufran.org

پیارے بچو!

مولانا محمد ریحان

کہانی دل کی زبانی (قسط2)

اس رات جب بارہ بجے میں اس کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ بوڑھا اپنے بستر پر بے سدھ پڑا تھا، اسے اس بات کا ہوش تک نہیں تھا کہ میں اس کے کمرے کی چوکھٹ پر اس کی موت کا فرشتہ بن کے کھڑا ہوں۔ اچانک اس نے اپنے بستر پر تھوڑی ہل جل کی۔ آپ لوگوں کو کیا لگتا ہے کہ میں ڈر گیا تھا۔ نہیں ہرگز نہیں۔

اس کے کمرے میں اندھیرے کے کالے بادل چھائے ہوئے تھے، جن میں کچھ بھی نظر آنا ممکن نہ تھا۔ مجھے بھی اس بات کا علم تھا کہ میرا دروازہ کھولنا، اور اندر آنے کو وہ بوڑھا نہیں دیکھ پائے گا۔ میں دروازہ کھولتا گیا، آہستہ سے، دھیمے انداز میں میں نے اپنا سر اندر کیا، لالٹین کو ڈھکتے ہوئے پھر اپنے ہاتھوں کو اندر کیا۔ اچانک بوڑھا سیدھا بیٹھ گیا اور زور سے چلایا:

”کون ہے وہاں؟“

میں سیدھا کھڑا رہا۔ تقریبا ایک گھنٹہ کے لگ بھگ میں اپنی جگہ سے بالکل نہیں ہلا، نہ ہی بوڑھے کا دوبارہ لیٹنے کا مجھے احساس ہوا۔ وہ وہیں بیٹھا رہا، اور آواز یا آہٹ سننے کی مسلسل کوشش کرتا رہا۔ پھر مجھے ایک آواز سنائی دی، یہ اسی بوڑھے کے دبی ہوئی رونے کی آواز تھی، جو اس کی جسامت کو چھوتے چھوتے چلی گئی۔

اب مجھے پتا چل چکا تھا کہ بوڑھا اپنے بستر پر بیٹھا ہوا ہے، اب وہ ڈر سے بھرا ہوا تھا۔ مجھے پتا تھا کہ اس کو وہاں میرے وجود کا علم ہے، لیکن وہ مجھے دیکھ نہیں پا رہا، سن نہیں پا رہا، لیکن وہ مجھے محسوس کر رہا تھا۔ یہ وہ وقت تھا، جب اسے یہ پتا چل چکا تھا کہ موت اس کے سامنے کھڑی ہے۔

آہستہ سے، تھوڑا تھوڑا کر کے، میں نے لیمپ سے اتنا کپڑا اٹھایا، جس سے سے ہلکی سی ترچھی روشنی باہر آسکے۔ یہ ترچھی روشنی سیدھی اس کی گدھ نما آنکھ پر جا کر پڑ رہی تھی۔ اس کی وہ آنکھ کھلی تھی۔ اس کو دیکھتے ہی میرا غصہ ساتویں آسمان کو چھو گیا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ گدھ نما آنکھ مجھے ہی دیکھ

رہی ہے۔مجھے اس بوڑھے کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا،اس کے وجود پر صرف وہ آنکھ تھی،جو مجھے نظر آ رہی تھی۔وہ نیلی ڈیلے کی آنکھ دیکھتے ہی میرے جسم میں سارا خون ٹھنڈا ہو گیا۔

میں نے آپ لوگوں کو پہلے یہ نہیں بتایا کہ میری حسِ سماعت عمومی لوگوں سے زیادہ مضبوط ہے۔اب مجھے تیز،دبی اور نرم آواز سنائی دی،جیسا کہ دیوار پر لٹکی گھڑی کی ٹک ٹک کی آواز۔یہ بوڑھے کی چھاتی میں زور زور سے دھڑکنے والے دل کی دھک دھک کی آواز تھی۔میں نے خاموشی سے کھڑا رہنے کی کوشش کی،مگر وہ آواز اونچی ہوتی گئی۔اس بوڑھے کا ڈر یقیناً بہت زیادہ ہوگا۔جیسے جیسے وہ دھک دھک کی آواز تیز اور اونچی ہوتی گئی،میرا غصہ بھی اس کے ساتھ ساتھ بڑھتا گیا۔یہ غصہ نہیں تھا،بلکہ غصہ سے بھی بڑھ کر کوئی چیز تھی۔

رات کے اس خاموش پہر،گہرے اندھیرے میں میرا غصہ میرے خوف میں بدل گیا۔مجھے یقین تھا کہ اس دھک دھک کی آواز کو کوئی سن لے گا۔اب وہ وقت آ گیا تھا۔میں کمرے میں یہ چلاتے ہوئے بھاگا''مر جاؤ،مر جاؤ''بوڑھا بھی زور سے خوف کے مارے چلایا۔میں بوڑھے پر لپکا،اور بستر کی چادر کو اس کے سر پر لپیٹ کر زور سے دبا لیا۔

اس وقت بھی اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا،لیکن میں مسکرایا۔میری مسکراہٹ اس بات کا ثبوت تھی کہ کامیابی اب زیادہ دور نہیں۔کچھ منٹ مزید وہ دل دھک دھک کرتا رہا۔لیکن بالآخر اس کا دھڑکنا ختم ہو گیا۔اب بوڑھا مر چکا تھا۔اس کی لاش بے سدھ پڑی تھی۔میں نے اس کے سر پر لپٹی چادر کو ہٹایا اور اس کے چھاتی کے ساتھ اپنا کان لگا کر اس کے دل کی دھڑکن کو سننے لگا۔اب دھڑکنے کی کوئی آواز نہ تھی۔ہاں اب وہ مر چکا تھا!پتھر کی طرح مردار اس کا لاشا بے جان پڑا تھا۔اب اس کی آنکھ مجھے دوبارہ پریشان نہیں کرے گی۔

اب بھی آپ کہو گے کہ میں مجنون ہوں؟آپ کو دیکھنا چاہیے تھا کہ میں اس کی لاش کو ایسی جگہ ٹھکانے لگانے میں کتنا محتاط تھا،جہاں اس کو کوئی نہ ڈھونڈ سکے۔سب سے پہلے میں نے اس کا سر اس کے دھڑ سے الگ کیا،پھر اس کے بازو اور ٹانگوں کو۔میں اتنا محتاط تھا کہ میں نے اس سارے دورانیہ میں خون کا ایک قطرہ تک زمین پر گرنے نہ دیا۔

بزمِ خواتین (عورت کا تقدس اور حقوق نسواں کا فریب: قسط 77) مفتی طلحہ مدثر

ملازمت اور تجارت میں خواتین کے اختیارات (حصہ: 14)

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوگیا، کہ صحابیات میں بہت سے خواتین طب میں مہارت رکھتی تھیں، اور عملی طور پر بھی متعدد مواقع پر وہ یہ خدمات فراہم کرتی تھیں، خصوصاً جنگی حالات میں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شرکت سے فیض یاب ہوئیں، اسی کے ساتھ ساتھ طبی معلومات فراہم کرنے اور دوسروں کو منتقل کرنے کا بھی ایک شعبہ تھا، جن میں کچھ صحابیات نمایاں تھیں، چنانچہ حضرت عائشہ اس سلسلے میں بہت شہرت رکھتی ہیں،

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

”ما رأيت أحدا أعلم بفقه ولا بطب ولا بشعر من عائشة“

ترجمہ: میں نے فقہ، شعر وشاعری اور طب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ علم والا کسی کو نہیں دیکھا (اصابہ)

مسند احمد کی ایک روایت میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ اپنی طب سے واقفیت کی وجہ بیان فرمائی ہے، حضرت عروہ نے حضرت عائشہ سے عرض کیا:

يا أمتاه، لا أعجب من فهمك ، أقول: زوجة رسول الله صلى الله عليه وسلم، وبنت أبي بكر، ولا أعجب من علمك بالشعر، وأيام الناس، أقول ابنة أبي بكر، وكان أعلم الناس أو من أعلم الناس، ولكن أعجب من علمك بالطب كيف هو؟ ومن أين هو ؟ قال: فضربت على منكبه وقالت: أي عرية، "إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يسقم عند آخر عمره، أو في آخر عمره، فكانت تقدم عليه وفود العرب من كل وجه، فتنعت له الأنعات، وكنت أعالجها له، فمن ثم

(مسند احمد، رقم الحديث ۲۴۳۸۰)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: اماں جان! مجھے آپ کی فہم وفراست سے تعجب نہیں ہوتا، کیونکہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ اور حضرت ابوبکر کی بیٹی ہیں، اور مجھے آپ کے شعروشاعری سے اور جنگی تاریخ سے واقفیت پر بھی تعجب نہیں ہوتا، کیونکہ آپ ابوبکر کی بیٹی ہیں، وہ اس کے بارے میں سب سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے، لیکن مجھے آپ کی طبی معلومات کے بارے میں تعجب ہے، کہ آپ کو کیسے اور کس سے حاصل ہوئی؟، تو انہوں نے عروہ کے کندھے پر ہاتھ مارا اور کہا ''اے عروہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عمر کے آخری حصہ میں بیمار ہوجایا کرتے تھے، اور عرب کے مختلف علاقوں سے وفد بھی آتے رہتے تھے، وہ بہت سے چیزوں کی نشاندہی کرتے تھے، جن سے میں نبی صلی اللہ علیہ سلم کا علاج کرتی تھی، تو میں نے یہ علم وہاں سے سیکھا ہے'' (مسند احمد)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت عائشہ کو مختلف قبائل کی آمد ورفت سے بھی بہت سی طبی معلومات فراہم ہوگئی تھیں، جن سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج معالجہ کرتی تھیں، اگرچہ وہ ماہر ڈاکٹر کے علاج کرنے کی طرح نہیں تھا، بلکہ اس کی حیثیت ایسی تھی، جیسی ہمارے یہاں بڑی بوڑھی خواتین کے گھریلو ٹوٹکے وغیرہ ہوتے ہیں، لیکن پھر بھی اس دور کے حساب سے یہ بھی طب کی ایک ابتدائی شکل ہی تھی۔

عملیات اور دَم

طب کا ایک ذیلی شعبہ عملیات کا بھی ہے، اگرچہ یہ لفظ ہمارے یہاں بہت بدنام ہو چکا ہے، جب کبھی عملیات کا ذکر آتا ہے، تو ہمارے ذہن میں دو نمبر پیروں، جعلی عاملوں اور جادو ٹونے کرنے والوں کا ایک خاکہ آجاتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے، جس طرح بہت سی بیماریوں کا علاج دوائیوں سے کرنا ممکن ہے، ایسا ہی کلام اللہ، یا دیگر مسنون اعمال میں بھی ایسی برکت پائی جاتی ہے، جس سے علاج ہونا ممکن ہے، خود نبی صلی اللہ نے متعدد مواقع پر ایسے اعمال بتائے ہیں، اس سلسلے میں بھی بعض صحابیات کو مہارت تھی، حضرت شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی ایسی روایات ملتی ہیں، چنانچہ ابوبکر بن سلمان بن ابی حثمہ سے روایت ہے:

أن رجلا من الأنصار خرجت به نملة فدل أن الشفاء بنت عبد اللّٰه ترقى من النملة، فجائها فسألها أن ترقيه، فقالت: واللّٰه ما رقيت منذ أسلمت، فذهب الأنصارى إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأخبره بالذى قالت الشفاء، فدعا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الشفاء فقال: اعرضى على فأعرضتها عليه، فقال: أرقيه وعلميها حفصة كما علمتيها الكتاب (مستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب معرفة الصحابة، ذكر الشفاء بنت عبد الله القرشية، ۶۸۸۸)

ترجمہ: انصار میں سے ایک شخص کو پسلیوں پر پھنسیاں (دانے وغیرہ) نکل آئے، تو اس کو بتایا گیا، کہ شفاء بنت عبداللہ اس کا دم کرتی ہیں، تو وہ شفاء کے پاس آیا اور اس سے دم کروانے کا مطالبہ کیا، شفاء نے کہا: اللہ کی قسم جب سے میں مسلمان ہوئی ہوں، میں نے دم نہیں کیا، تو وہ انصاری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور شفاء سے متعلق تمام بات بیان کردی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاء کو بلوایا اور فرمایا ”میرے سامنے وہ دم پیش کرو“، تو انہوں نے (شفاء بنت عبداللہ نے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہ دم بیان کردیا، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم یہ دم کردو، اور حفصہ کو بھی یہ سکھادو، جیسے تم نے اسے لکھنا سکھایا ہے (حاکم)

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا، بعض صحابیات کچھ بیماریوں میں دم کرنے میں مہارت رکھتی تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ان کو اس کی اجازت دی، بلکہ دوسری صحابیات کو بھی سکھانے کا حکم فرمایا (جاری ہے)

آپ کے دینی مسائل کا حل ادارہ

تکفیر بازی ومغالطاتِ سلفی کا جائزہ (قسط18)

جامعہ قطر کے ''کلیۃ الشریعۃ'' اور ''دراساتِ اسلامیہ'' کے استاذِ مساعد ''دکتور مصعب الخیر ادریس سید مصطفیٰ عبدالمتعال نے اپنے مضمون ''مقدمات النظر و دقیق الکلام ''میں شیعہ اثناعشریہ کی طرف تحریفِ قرآن کے عقیدہ کی نسبت پر نہایت محققانہ کلام کیا ہے،اور جمہور اثنا عشریہ کی طرف اس عقیدہ کی نسبت کی تردید کی ہے۔

اس مضمون میں سید مصطفیٰ عبدالمتعال نے ایک مقام پر لکھا کہ:

''علامہ ابنِ حزم تو مغربِ اسلامی کے انتہائی کنارہ پر ہونے کی بنا پر قدیم وجدید امامیہ کی طرف تحریفِ قرآن کے عقیدہ کی نسبت کرنے پر معذور قرار دیے جاسکتے ہیں،لیکن علامہ احسان الٰہی ظہیر صاحب نے جو علمائے اثناعشریہ کی طرف سے تحریفِ قرآن کے برخلاف پے درپے تمام تر تفصیلات وتوضیحات سامنے آنے کے بعد، جملہ اثناعشریہ کی طرف اس عقیدہ کی نسبت کی،تو یہ زیادہ قابلِ تعجب امر ہے، بالخصوص جبکہ دنیا میں ہر جگہ سنی وشیعہ کے ہاتھ میں یہی ایک قرآن ہے،البتہ شیعہ کے اخباریہ کے بعض ارذل لوگ، جو فقہ،اور غور وفکر،اور قیاس سے اعراض کرتے ہوئے، ہر حدیث وخبر پر یقین رکھتے ہیں،وہ تحریفِ قرآن کی روایات پر یقین رکھتے ہیں،جس کی اثناعشریہ کے شیخ مفید نے بھی توضیح کی ہے۔

اور تحریفِ قرآن سے متعلق اس قسم کی روایات، احادیث واخبار کی کتابوں میں منتشر تھیں،جن کو میرزا حسین نوری طبرسی (المتوفی 1320ھ) نے جمع کردیا،اور اہل السنۃ کی کتابوں سے بھی جمع کردیا، جو کہ دراصل نسخ،یا اختلافِ قرائت، یا بعض صحابہ کی تفسیریات پر مبنی تھیں،یا پھر ان کی صحت ثابت نہیں تھی۔

جس کے بعد نوری طبرسی کی متعدد اثناعشریہ نے تحریری طور پر تردید کی،اور نوری کے

موقف کا صریح بطلان، اوراس کے بیان کردہ دلائل کا فساد ظاہر کیا“

(مقدمات النظر ودقيق الكلام، ص ۴۲۳، ۴۲۴، الاستدلال فى اصول الدين ، انواعه وصوره،الدلائل السمعية، القرآن الكريم ”دراسات فى التشيع الإمامي فى ضوء دعوى التقريب بين الفرق والمذاهب الإسلامية: ۲“ الناشر: المكتبة القدوسية، لاهور، الباكستان، الطبعة الأولى: ۱۴۲۸ هـ، 2007م)

اسی مضمون میں آگے چل کر سید مصطفیٰ عبدالمتعال نے ابوالحسن اشعری کی ایک عبارت نقل کرنے کے بعد، اثنا عشریہ کے شیخ ابوجعفر صدوق قمی (المتوفیٰ 381ھ) کی عبارات اوران کے عدمِ تحریف قرآن سے متعلق موقف کی وضاحت کی ہے،جس کے ضمن میں علامہ احسان الٰہی ظہیر صاحب کی طرف سے شیخ صدوق پر تقیہ کے الزام کی تردید کی ہے،اوراسی کے ساتھ اثنا عشریہ کے شیخ مفید (المتوفیٰ:336ھ) کی قرآن مجید میں کمی، یا زیادتی، اورکسی قسم کی تحریف نہ ہونے کے بارے میں تصریحات اوران کی توضیحات وتشریحات ذکر کی ہیں،جس میں شیخ مفید کی”اوائل المقالات“ کی یہ تصریح بھی شامل ہے کہ”یہی ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہونے کا مذہب صحیح ہے، بخلاف اس کے جو ہم نے بنو بخت سے قرآن میں زیادتی، اورنقص واقع ہونے کا سنا ہے،اوراس کی طرف متکلمینِ امامیہ،اوران کے اہلِ فقہ واعتبار کی ایک جماعت گئی ہے“

وهذا المذهب بخلاف ما سمعناه عن بني نوبخت ـ من الزيادة فى القرآن والنقصان فيه .وقد ذهب إليه جماعة من متكلمي الإمامية وأهل الفقه منهم والاعتبار(أوائل المقالات، ص ۸۱)

چنانچہ سید مصطفیٰ عبدالمتعال نے لکھا کہ:

”اللہ ابوالحسن اشعری پر رحم فرمائے، میں نے اس پوری جدوجہد کے بعد ابوالحسن اشعری کے کلام کی تقریر پر امامیہ اثنا عشریہ کے قرآن کے بارے میں موقف کے بارے میں کوئی زیادتی نہیں کی،سوائے اس تفصیل کے، جو ابوالحسن اشعری کی کتاب کے شایانِ شان نہیں تھی،اوروہ ان کے زمانہ سے پہلے نہیں تھی۔

اور ہمارے اس زمانہ تک امامیہ اثنا عشریہ کی طرف اطمینان کی حد تک منسوب اقوال کے تناظر میں اب ہم اس کا خلاصہ بیان کرنے پر قادر ہوگئے، جوکہ مجموعی طور پر تین اقوال ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ وہ قرآن، جو دفتین کے درمیان ہے،اس میں ایسی زیادتی کردی

گئی، جو اس میں نہیں تھی، اوراس میں ایسی کمی کردی گئی، جو اس میں موجود تھی، یہ بنو بخت اوران اخباریین کا قول ہے، جو اپنی افہام کے مطابق ان اخبار کے ظاہر کو مضبوط پکڑتے ہیں، جو ان کے ہاتھوں میں ہیں، اورانہوں نے ان کے تحققِ ثبوت، اوران سے ثابت شدہ معنیٰ پر نظر ڈالے بغیر ان کو جمع کیا ہوا ہے۔

اور یہ قول ملت سے خارج کرنے والا ہے، جس کا کوئی مسلم قائل نہیں ہوسکتا۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ نازل شدہ وحی کی دو قسمیں ہیں۔

ایک نازل شدہ وحی وہ جو معجز ہے، دفتین کے درمیان ہے، اس میں کوئی نہ تو زیادتی واقع ہوئی، اور نہ ہی کوئی کمی واقع ہوئی، سوائے بعض سورتوں کی تالیف اور ترتیب کے۔

اور دوسری وحی وہ ہے، جس کا بیان اور تاویل آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امامت کے وجوب، اوران کی فضیلت کے بیان کو متضمن ہے، اور یہ امیر المومنین، حضرت علی کے مصحف میں تھی، جس سے عدول کیا گیا، اوراس کو جمع نہیں کیا گیا۔

یہ شیخ صدوق اور شیخ مفید کا قول ہے، اگرچہ شیخ مفید نے دونوں قسموں پر قرآن کا اطلاق کیا ہے۔

اور میرے اعتقاد کے مطابق یہ قول مخصوص ومتعین معنیٰ میں مشہور لفظ کے استعمال کی وجہ سے واضح خطاء سے خالی نہیں، لیکن یہ خطاء، یا یہ مغالطہ اس درجہ کو نہیں پہنچتا کہ جو ملتِ اسلام سے خروج کا باعث ہو۔

اور تیسرا قول وہ ہے، جو جمہور مسلمین کا ہے کہ قرآن وہی ہے، جو دفتین کے درمیان ہے، جو متواتر طریقہ سے ثابت ہے، اوراس کو اصل سے کوئی تحریف لاحق نہیں ہوئی، نہ تو اس کے نص میں اور نہ ہی کسی سورت کی تالیف وترتیب میں۔

اور یہی قول شیخ مرتضٰی اور شیخ طوسی کا ہے، اور یہ دونوں حضرات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، حضرت علی کی بلافصل امامت کے ثبوت پر منصوص متواتر حدیث کے گمان کی بنیاد پر استدلال کرتے ہیں، اور بعض اوقات اس کے بعد آیتِ ولایت کی تفسیر پر

بھی یقین رکھتے ہیں، جوسورہ مائدہ کی یہ آیت ہے کہ:

”إنما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلاۃ ویؤتون الزکاۃ وھم راکعون“

اور یہاں سے ان کا قرآن میں قول، امامتِ معصوم کے وجوب کے بارے میں بدعت کے قول سے جدا ہے۔

اوران دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے کہ ہم کسی قول، یا رائے کو یہ کہیں کہ یہ کفر ہے، یا یہ کہیں کہ یہ خطاء، یا بدعت ہے، کیونکہ بدعتی اپنی بدعت پر قائم ہونے کے باوجود، مسلمانوں کے زمرہ میں شامل ہوتا ہے، اس کے لئے وہی احکام ہوا کرتے ہیں، جو مسلمانوں کے احکام ہوتے ہیں، اوراس پر وہی وبال ہوا کرتا ہے، جو مسلمانوں پر ہوا کرتا ہے،، اوروہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا ہوا کرتا ہے، اوراس کا حساب اس کا رب کرتا ہے، چاہے، تو وہ اس کے گناہ پر عذاب دے، اور چاہے، تو اپنی رحمت وفضل سے معاف کرے“

(مقدمات النظر ودقیق الکلام، ص ۳۷۰، ۳۷۱، الاستدلال فی اصول الدین ، انواعہ وصورہ، الدلائل السمعیۃ، القرآن الکریم ”دراسات فی التشیع الإمامی فی ضوء دعوی التقریب بین الفرق والمذاھب الإسلامیۃ: ۲“ الناشر: المکتبۃ القدوسیۃ، لاھور، الباکستان، الطبعۃ الأولیٰ: ۱۴۲۸ھ ، 2007م)

سید عبدالمتعال نے جو تین اقوال ذکر کیے، ان میں دوسرا قول وہ ہے، جس میں بعض سورتوں کی تالیف اور ترتیب میں اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے، اوراس قول کو باعثِ تضلیل تو قرار دیا گیا، لیکن باعثِ تکفیر قرار نہیں دیا گیا، جس کی وجہ یہ ہے کہ متعدد محققین اہل السنۃ کی تصریح کے مطابق، موجودہ قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب کے ”توقیفی“ یا ”اجتہادی“ امر ہونے میں اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک ”توقیفی“ ہے۔

البتہ متعدد حضرات نے آیات کی موجودہ ترتیب کے توقیفی ہونے پر اجماع کا حکم لگایا ہے۔

(ملاحظہ ہو: لمعات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح، ج۳ص ۳۱۶، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ اللیل ، الإتقان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۲۱۱، وص ۲۱۶، النوع الثامن عشر : فی جمعہ وترتیبہ ، القواعد والإشارات فی أصول القراء ات، ص ۳۵، بذل المجھود فی حل سنن أبی داود، ج۴، ص ۱۷۰، باب ما جاء من جھر بھا)

www.idaraghufran.org

اور ملا علی قاری، اور بعض دیگر حضرات نے ''ترتیبِ آیات'' کو ''توقیفی قطعی'' کہا ہے، اور ''ترتیبِ سور'' کے بارے میں ایک قول ''اجتہادی ظنی'' ہونے کا نقل کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو: مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج۲، ص ۶۹۱، باب القراء ۃ فی الصلاۃ، الفتاوی الفقهية الكبرى، ج ۱ ص ۳۸، كتاب الطهارة، باب النجاسة)

علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں جمعِ قرآن کے مسئلہ کے ضمن میں ترتیبِ آیات وسور کے توقیفی و اجتہادی ہونے پر کلام کرتے ہوئے، ترتیبِ سور کے عند الجمہور توقیفی اور عند البعض اجتہادی ہونے، اور ترتیبِ آیات کے باجماع اہل السنۃ توقیفی ہونے کا حکم لگایا ہے، کیونکہ اس کے توقیفی ہونے پر رواياتِ متظافرہ شاہد ہیں، پھر فرمایا کہ ان رواياتِ متظافرہ کے برخلاف بعض اہل السنۃ کی مرویات خبرِ آحاد کے قبیل سے ہونے کی بناء پر درجۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ اہل السنۃ کے نزدیک بھی بعض روایات اجماع و آحاد کے قبیل سے ہیں، جو ان کی کتب میں موجود ہیں، لیکن ان کو انہوں نے معتبر قرار نہیں دیا۔

(ملاحظہ ہو: روح المعاني، ج ۱، ص ۲۷، ۲۸، خطبة المفسر)

اور یہ بات معلوم ہے کہ ظنی امر کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا، اور قطعی اگر متواتر وضروریات میں سے ہو، تو اس کا انکار کفر کہلاتا ہے۔

(ملاحظہ ہو: رد المحتار على الدر المختار، ج۴، ص ۲۲۳، كتاب الجهاد، باب المرتد)

اور حنفیہ نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ رافضہ کی طرف سے ''شیخین کی خلافت کا انکار اور ان پر سب وشتم کرنا، اگرچہ فی حد ذاتہ کفر ہے، کیونکہ اس میں صحابہ پر تہمت کی وجہ سے اجماع کے حجت ہونے کا انکار لازم آتا ہے، لیکن چونکہ یہ ان کی طرف سے شبہ پر مبنی ہے، جو اگرچہ درست نہیں، لیکن عدمِ تکفیر کے لئے کافی ہے۔

(ملاحظہ ہو: رد المحتار على الدر المختار، ج ۱، ص ۵۶۱، كتاب الصلاة، باب الامامة)

معلوم ہوا کہ ترتیبِ نزولی کے متعلق بعض نے جو سورتوں وغیرہ کی ترتیب میں اختلاف کیا ہے، اس کا تعلق ''اصولی تحریف'' کے بجائے ''ترتیب'' میں اختلاف سے ہے، جس کو ''تحریف'' سے تعبیر کردیا گیا ہے، ورنہ کمی وزیادتی کے اعتبار سے ''تحریف'' کا انہوں نے بھی صاف انکار کیا ہے۔

اور قرآن مجید کے متعلق بعض فروعی وجزوی نوعیت کے اختلافات کو، اس تحریفِ قرآن کے ہم معنیٰ

سمجھ کر تکفیر کا حکم لگا دینا راجح نہیں، جو ''تحریف'' کفر کا سبب ہے، کیونکہ کسی خاص جزء کی نفی کو عام کی نفی سمجھ لینا درست نہیں ہوا کرتا۔

ورنہ تو بہت سے اہل السنۃ کی تکفیر بھی لازم آئے گی۔

یہی وجہ ہے کہ ''دفتین کے درمیان'' کلام اللہ ہونے پر اجماع ہے، اور دفتین کے درمیان، سورہ فاتحہ سمیت ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ بھی موجود ہے، جس کو صحابہ نے ثابت رکھا، اور یہ قرآن کے خط میں ہی مکتوب ہے، جس کی بناء پر امام شافعی نے ''بسم اللہ'' کو سورہ فاتحہ سمیت تمام سورتوں کا جزء قرار دیا ہے، لیکن اس کے باوجود مذاہبِ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص بسم اللہ کے ہر سورت کے جزء ہونے کا انکار کرے، تو وہ کافر نہیں۔

(ملاحظہ ہو: الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۸، ص۸۵، مادہ''بسملة'')

اس قسم کے جزوی وفروعی اختلاف کے موقع پر بعض محققین نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ امام شافعی کے نزدیک قرآن کے ''علٰی سبیل القطع'' ثابت ہونے کے لئے ''تواترِ قطعی'' ضروری ہے، اور ''علٰی سبیل الحکم'' ثابت ہونے کے لئے ''ظن'' بھی کافی ہے۔

(ملاحظہ ہو: إحكام القنطرة فی أحكام البسملة، للإمام محمد عبد الحی اللكنوی، ص۴۸)

اور اسماعیل بن مصطفٰی کلنبوی (المتوفٰی:1205ھ) جو حنفی علماء میں سے تھے، اور ''کیی'' شہر میں قاضی کے منصب پر مامور تھے۔

(ملاحظہ ہو: هدية العارفين للباباني، ج ا ص ۲۲۲، باب الالف)

انہوں نے ابوالحسن اشعری وغیرہ پر وارد ہونے والے شبہ کے جواب میں فرمایا کہ:

التكفير انما هو اذا اعتقد ان ليس فيما بين الدفتين كلام الله تعالٰى حقيقة لا الالفاظ ولا المعانی. اما إذا اعتقد انه المعانی، دون الالفاظ، فلا يجوز التكفير اصلا، وهو مذهب اكثر الاشاعرة، وما علم من الدين ضرورة انما هو ان فيما بين الدفتين كلام الله اعم من ان يكون المعانی او الالفاظ، لا خصوصية الالفاظ، ولا يلزم من نفی الخاص نفی العام، وحينئذ لا يرد ما يرد علی قوله، وما علم من الدين الی آخره من انه لو كان كونه دالا علی كلامه تعالی حقيقة معلوما من الدين ضرورة لزم تكفير المصنف ومحمد شهرستانی وغيرهما فی قولهم ان الالفاظ نفس كلامه تعالٰی لا دلالة عليه، وذلک ايضا باطل فقد وقع فيما حفر لاخيه المسلم (حاشية الكلنبوی علٰی شرح الجلال، ج۲ ص ۲۴۰، بيان مذهب الكرامية فی كلامه تعالٰی ومذهب الاشاعرة، الناشر: مطبعة العثمانية، تاريخ النشر: ۱۳۱۷ھ)

www.idaraghufran.org

اوراس سلسلہ میں امام فخرالدین رازی کے چندحوالہ جات آگے آتے ہیں۔

مذکورہ حوالہ جات سے معلوم ہوگیا کہ سلفی صاحب نے علامہ ڈاکٹر خالدمحمودصاحب کے حوالہ سے جو تمام اہلِ تشیع کی طرف قرآن مجید کی موجودہ آیات اور سورتوں کی ترتیب کے تحریف شدہ ہونے،اور بعض آیات کے کم ہونے کے عقیدہ کومنسوب کیا ہے،جس سے ان تمام اجزاء کا الگ الگ طور پر باعثِ تکفیر ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے۔یہ دونوں باتیں راجح نہیں۔(جاری ہے............)

(طبع ہوکرمنظرِ عام پرآ چکی ہے)

اہلِ تشیع کی ''تحقیق و تکفیر'' (علمی وتحقیقی رسائل: جلد22)

اہلِ قبلہ کی تعریف اوراس کے مصداق اوران کی عدمِ تکفیر پراحادیث وروایات،اہلِ تشیع کی تحقیق،ان کی طرف منتسب فرقوں،اوران کے اصولی افکار پرکلام،''شیعہ امامیہ اثناعشریہ'' کی علی الاطلاق تکفیر پربعض اہلِ علم حضرات کا موقف،شیعہ کی علی الاطلاق تکفیر کے برخلاف،جمہور محققین،مجتہدین واکابرین کا موقف،تکفیر میں اختلاف اورتکفیر کی مجمع علیہ وجوہات واسباب پرمحققین کامحتاط موقف،اہلُ الاھواء واہلُ البدعۃ کی روایات قبول ہونے نہ ہونے کی تحقیق،شیعہ وروافض کی مرویات اوران کی اسنادی حیثیت

مصنف:مفتی محمدرضوان خان

ناشر:ادارہ غفران،راولپنڈی،پاکستان،فون:051-5507270

کیا آپ جانتے ہیں؟ مفتی محمد رضوان

دلچسپ معلومات، مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

اللہ کو راضی کئے بغیر، کفار کے خلاف کامیابی ممکن نہیں

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

’’میں بقسم عرض کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی ترقی اور فلاح و بہبود صرف اللہ اور رسول کے احکام کی اتباع ہی میں ہے اور اتباع نہ ہونے سے یہ حالت ہو رہی ہے‘‘ (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر۸ ص ۲۹۳)

اور ایک مقام پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

’’غرض تدابیر کی تاثیر موقوف ہے، مشیت پر اور مشیات مسلمان کے لئے موقوف ہے (اللہ کی) رضا پر، اس لئے کہتا ہوں کہ بدون حق جل علیٰ شانہٗ کو راضی کیے ہوئے اور مشروع تدابیر (شرعی طریقوں) کو اختیار کیے ہوئے، مسلمانوں کو فلاح اور بہبود میسر ہونا محال (ناممکن) ہے، اس کا صرف ایک ہی علاج ہے، جو میں تم کو بتلا چکا ہوں کہ اللہ اور رسول کو راضی کرنے کی فکر اور مشروع تدابیر (یعنی شرعی طریقوں) کو اختیار کرو، اپنے دوست، دشمن کو پہچانو، سلیقے اور طریقے سے کام کرو اور جو کام بھی کرو متحد ہو کر کرو، ہر مسلمان دوسرے مسلمان سے اپنے کو چھوٹا سمجھے اور یہ چھوٹا سمجھنا ہی صورت اتفاق کی ہے اور آج کل کی یہ ساری خرابیاں بڑے بننے کی ہیں اور یہ سب ضروری تفصیل ہے تدابیرِ مشروعہ (شرعی طریقوں) کی، ان کو اختیار کرو، پھر ان شاء اللہ تعالیٰ فتح اور نصرت تمہاری لونڈی غلام (کی طرح ماتحت) بن کر تمہارے ساتھ ہوگی، کیا تم نے اپنے سلف (بڑوں) کے کارنامے نہیں سنے کہ مادیات کا ان کے پاس نام و نشان نہ تھا، ہر طرح کی بے سروسامانی تھی، مگر بڑے بڑے قیصر و کسریٰ اور بڑی بڑی جماعتیں منظّم غیر مسلم اقوام کی ان سے لرزاں اور ترساں (خائف) تھیں، آخر کیا چیز ان کے پاس تھی؟ وہ

www.idaraghufran.org

صرف ایک ہی چیز تھی، جس کا نام تعلق مع اللہ ہے، اُن کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق تھا، بس سب اس کی برکت تھی۔ ہمارے اندر اسی کی کمی ہے، اس لئے ذلیل اور خوار ہیں ،حق تعالیٰ فہمِ سلیم عطافرمائیں کہ صحیح طریق پر چلیں اور دارین کی فلاح پر فائز ہوں (ملفوظات الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ جلد نمبر۵ ص۱۱۴، ملفوظ نمبر۱۱۶)

اور حضرت موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

’’اگر مقصود ترقی ہے اور چاہتے ہو کہ قوم کی فلاح اور بہبود کا سامان ہو، اور اسی کے لئے تم یہ سب کچھ کر رہے ہو، تو عقل کے دشمنو، جیسے تم یہ مخترع (من گھڑت) تدابیر اختیار کر رہے ہو، اور تجربہ سے غلط ثابت ہو رہی ہیں، آخر خدا اور رسول کی بتلائی ہوئی تدابیر سے تم کو کیوں ضِد اور نفرت ہے اور ان کو کیوں نہیں اختیار کرتے، چند روز کے لئے ان کو بھی تو باعتقادِ دین نہیں، بلکہ تدابیر ہی کا درجہ سمجھ کر اختیار کر کے تو دیکھ لو، یعنی اگر اس خیال سے اختیار کرنے کی ہمت نہ ہو کہ ان کا دین میں کیا درجہ ہے اور اس پر خدا اور رسول کی خوشنودی ہوگی، تو محض بطور امتحان ہی کے کر کے دیکھ لو، اسی کو مولانا (روم) فرماتے ہیں: سالہا تو سنگ بودی دل خراش آزمور ایک زمانے خاک باش

بہت دن بتوں کی پرستش کرتے ہوئے ہوگئے، سوائے ذلت اور خواری کے کچھ پلّے نہ پڑا، اب ذرا خدا کو راضی کر کے اور ان کے سامنے ناک ماتھا رگڑ کر دیکھ لو۔

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ چند روز میں کایا پلٹ ہو جائے گی اسی کی تعلیم ہے ؎

چند خوانی حکمتِ یونانیاں حکمتِ ایمانیاں راہم بخواں

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ بات تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ بدون مشروع تدابیر کے (یعنی شرعی تدبیروں کے) اختیار کیے ہوئے، مسلمانوں کی فلاح اور بہبود مشکل بلکہ محال (ناممکن) ہے، اور یہ میرا دعویٰ بلا دلیل نہیں اور دلیل بھی ایسی کہ جس کا تم مشاہدہ کر رہے ہو کہ اس وقت تک غیر مشروع تدابیر (غیر شرعی طریقوں کے) اختیار کرنے پر تم کو ناکامی ہی ناکامی رہی، بھلا غیر مشروع تدابیر (یعنی غیر شرعی طریقوں) میں خیر و برکت کہاں؟ کیونکہ سب اسباب تو انہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، بدون (بغیر) ان کی مشیت کے نری

تدابیر واسباب سے ہوتا کیا ہے، اسی کو مولانا (روم) فرماتے ہیں ؎

خاک وباد وآب وآتش بندہ اند　　　　با من وتو مردہ با حق زندہ اند

(خاک، ہوا، پانی، آگ سب خدا کے بندے ہیں، ہمارے تمہارے سامنے مردہ ہیں، مگر حق تعالیٰ کے سامنے زندہ ہیں)

اور ان کی مشیت اہلِ ایمان کے لئے عادتاً بدون (بغیر) رضا کے ہوتی نہیں، پھر کامیابی کہاں؟ اگر تم نے یہ طریقہ اختیار نہ کیا، تو تمہاری ان تدابیرِ غیر مشروع (غیر شرعی طریقوں) پر یہ حالت ہوگی کہ بجائے کسی بہبود اور فلاح (کامیابی وکامرانی) کے خسارہ ہی خسارہ (ناکامی اور نقصان ہی) ہوگا'' (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر۵ ص۱۱۲و۱۱۳، ملفوظ نمبر۱۱۶)

اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

''مسلمانوں کا سوائے خدا کی ذات کے اور کوئی حامی اور مددگار نہیں اور ان کو اور کسی کی ضرورت بھی نہیں، میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اگر مسلمانوں میں نظم ہو اور دین ہو (یعنی مسلمان نیک اور ایک ہوں) تو تمام دنیا کی غیر مسلم اقوام اس ضعف (کمزوری) کی حالت میں بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں، لیکن مسلمان ویسے تو بہت کچھ گڑ بڑ کرتے ہیں ، مگر جو اصل تدبیر ہے اور کام کی تدبیر ہے، جس سے پہلوں کو کامیابی میسر ہو چکی ہے، وہ نہیں کرتے، وہ تدبیر یہ ہے کہ اپنے خدا کو راضی کرنے کی فکر کریں۔

اب تو بڑی تدابیر، ان مشرکوں (کافروں) کی تعلیم (اور طریقوں) پر عمل کرنا ہے، ان (کافروں) کو لوگ عاقل سمجھتے ہیں، بھلا ایسا شخص کیا عاقل ہوگا، جس کو انجام (وآخرت) کی خبر نہیں، اگر ایسے لوگ عاقل ہوتے، تو آخرت کی فکر کرتے، پہلے ایمان لاتے، ہاں آ ِکل (یعنی کھانے پینے والے) ہیں، روپیہ اور ملک کی فکر ہے، سو ایسے پہلے بھی بڑے بڑے گزر چکے، جو خدائی تک کا دعویٰ کر گئے، شدّاد، نمرود، فرعون، قارون وہ کون چیز ہے جو (ان میں) نہ تھی، جس کے نہ ہونے سے بدعقل اور بدفہم کہلائے، بس یہی دین نہ تھا، تو ان (موجودہ) لوگوں کو تو دنیا میں اتنی ثروت (عیش وآرام اور مال ودولت کی فراوانی) نصیب نہیں، جیسے پہلوں کو نصیب ہو چکی۔ کَمَا قَالَ تَعَالیٰ : وَلَقَدْ مَکَّنّٰھُمْ

www.idaraghufran.org

فِيمَا اِنْ مَّكَّنَّاكُمْ (الآیۃ)(اورہم نے ان لوگوں کوان باتوں میں قدرت دی تھی کہ تم کوان باتوں میں قدرت نہیں دی)مگران کا جوانجام ہوا”خَسِرَ الدُّنيَا وَالْآخِرَةُ“ (دنیاوآخرت کی ذلت ورُسوائی) وہ اظہرمن الشّمس (سورج سے بھی زیادہ ظاہر)ہے“(ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلدنمبر۱ص۳۱۵و۳۱۶ملفوظ نمبر۴۱۸)

حضرت موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں:

”جوطریقہ کفار کے لیے حصولِ عزت کا ہے،مسلمان کے لیے وہ طریقہ نہیں ہے۔
مسلمان کبھی دوسروں قوموں کا اتباع کر کے ترقی نہیں کرسکتا،اگروہ مسلمان ہے۔
مسلمان کی ساری عزت اسی میں ہے کہ وہ اپنے طریقہ پر قائم رہےاور کسی حال میں احکامِ شریعت سے تجاوز نہ کرے،اسی سے فلاح ہوتی ہے،گوسامان کم ہواوراس کے خلاف میں فلاح نہیں،گوسامان زیادہ ہو۔

دیکھیے!اس کی تائید میں ایک باریک نکتہ بتلاتا ہوں،وہ یہ کہ مسلمانوں کو مکہ میں رہتے ہوئے قتال کی اجازت نہیں ہوئی،مدینہ میں پہنچ کراجازت ہوئی،اس کی کیا وجہ ہے؟ ظاہر میں یہ سمجھتے ہیں کہ قلتِ جماعت وقلتِ اسباب(یعنی افرادواسباب کی کمی)اس کا سبب تھا۔یہ خلافِ تحقیق ہے؛کیونکہ مدینہ ہی میں پہنچ کر کیا جماعت بڑھ گئی تھی؟
کفار کا پھربھی غلبہ تھا،مدینہ کی جماعت تمام عرب کے مقابلے میں کیا چیز تھی؟بلکہ اگر یہ دیکھا جائے کہ تمام کفارِعالَم کے مقابلے میں یہ اجازت ہوئی تھی،تب تو مدینہ کیا سارا عرب بھی قلیل تھا،اسی طرح مدینہ پہنچ کر سامان میں کیا زیادتی ہوگئی تھی؟کفار ہمیشہ سازوسامان سے مقابلہ کرتے تھے،اورمسلمانانِ مدینہ کی یہ حالت تھی کہ بعض مواقع میں ایک ایک سواری میں سات آٹھ آدمی شریک ہوتے تھے،بعض دفعہ چندآدمیوں میں ایک ہتھیارمشترک ہوتا تھا،پس یہ کہنا بالکل واقع کے خلاف ہے کہ مدینہ میں جا کر جماعت وسامان کی زیادت اس اجازت کا سبب ہوئی۔ نصوص سے خود معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کفار کے مقابلے میں اکثر مواقع میں اس قدر کم ہوتی تھی کہ

www.idaraghufran.org

ملائکہ کا جوڑ لگایا جاتا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہے:''وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا''

اور ارشاد ہے:

بَلٰٓی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَالْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ (سورة آلِ عمران آيت نمبر ۱۲۵)

اور یہ صورت ملائکہ کی مکہ میں رہتے ہوئے بھی ممکن تھی، مگر پھر بھی اس صورت کو اختیار کر کے وہاں اجازت نہ دی گئی، تو اس کی کوئی اور وجہ بتلانی چاہیے۔ اہلِ ظاہر اس کی شافی وجہ نہیں بتلا سکتے۔ محققین نے فرمایا ہے کہ اصل بات یہ تھی کہ مکہ میں عام مسلمانوں کے اندر اخلاقِ حمیدہ، اخلاص وصبر وتقویٰ وغیرہ کامل طور پر راسخ نہ ہوئے تھے، اس وقت اگر اجازت قتال کی ہو جاتی، تو سارا مقابلہ جوش غضب وانتقام للنفس کے لیے ہوتا، محض اخلاص واعلاءِ کلمۃُ اللہ کے لیے نہ ہوتا، اور اس حالت میں وہ اس قابل نہ ہوتے کہ ملائکہ کی جماعت سے اُن کی امداد کی جائے، اور حمایتِ الٰہی اُن کے شاملِ حال ہو۔ چنانچہ آیتِ مذکورہ میں''بَلٰىٓ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا'' کی شرط بتلا رہی ہے کہ حمایتِ الٰہی اُسی وقت متوجہ ہوتی ہے جبکہ مسلمان صبر وتقویٰ میں راسخ ہوں (اور تقویٰ کے معنیٰ ہیں:''احتراز عمانهى الله عنه، و امتثال مأمر به''جس میں اخلاص اور احتراز عن الریاء وعن شائبۃ النفس بھی داخل ہے)

اور مدینہ میں پہنچ کر یہ اخلاق راسخ ہو گئے تھے۔

مہاجرین کو مکہ میں رہنے کی حالت میں کفار کی ایذاء پر صبر کرنے سے نفس کی مقاومت سہل ہو گئی، نیز قوتِ غضبِ نفسانی ضعیف، بلکہ زائل ہو گئی تھی۔

پھر ہجرت کے وقت جب انہوں نے اپنے وطن واہل وعیال و مال ودولت سب پر خاک ڈال دی، تو اُن کی محبتِ الٰہی کامل ہو گئی، اور محبتِ دنیا اُن کے قلب سے بالکل نکل گئی۔ انصارِ مدینہ نے مہاجرین کے ساتھ جو سلوک کیا، اس سے ان کے قلوب بھی محبتِ الٰہی سے لبریز اور محبتِ دنیا سے پاک ہو گئے تھے، چنانچہ انصار نے خوش خوش ان

حضرات کو اپنے مکانات واموال میں شریک کرنا چاہا.........غرض واقعۂ ہجرت سے مہاجرین وانصار دونوں کا امتحان ہو گیا، جس میں وہ کامل اُترے۔

اس کے بعد ان کو اجازتِ قتال دی گئی کہ اب جو کچھ کریں گے، محض خدا کے لیے کریں گے، جوشِ غضب اور خواہشِ انتقام وشفاءِ غیظِ نفس (نفس کے غصے کو ٹھنڈا کرنے) کے لیے کچھ نہ کریں گے، اس وقت یہ اس قابل ہوں گے کہ حمایتِ الٰہی ان کا ساتھ دے اور ملائکۂ رحمت ان کی مدد کریں۔

چنانچہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ وہ جو کچھ کرتے تھے، خدا کے لیے کرتے تھے، حتیٰ کہ مثنوی میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یہودی کو معرکۂ قتال میں پچھاڑا اور ذبح کا ارادہ کیا۔

مرتا کیا نہ کرتا۔اس کم بخت نے آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوکا، اب چاہیے تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو فوراً ہی ذبح کرڈالتے، مگر تھوکنے کے بعد آپ فوراً اس کے سینے پر سے کھڑے ہو گئے۔اور فوراً اسے چھوڑ دیا، وہ یہودی بڑا متعجب ہوا کہ میری اس حرکت کے بعد تو اُن کو چاہیے تھا کہ مجھے کسی طرح جیتا نہ چھوڑتے، مگر اُنہوں نے برعکس معاملہ کیا؛ آخر اُس سے رہا نہ گیا، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی کہ آپ نے اگر مجھ کو کافر سمجھ کر قتل کرنا چاہا تھا، تو تھوکنے کے بعد کیوں رہا کر دیا؟......

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ......بات یہ ہے کہ اوّل جب میں نے تجھ پر حملہ کیا، تو اس وقت بجز رضائے حق کے مجھے کچھ مطلوب نہ تھا، اور جب تو نے میرے اوپر تھوکا تو مجھے غصہ اور جوشِ انتقام پیدا ہوا، میں نے دیکھا کہ اب میرا تجھے قتل کرنا محض اللہ کے لیے نہ ہوگا، بلکہ اس میں نفس کی بھی آمیزش ہوگی، اور میں نے نہ چاہا کہ نفس کے لیے کام کر کے اپنے عمل کو ضائع کروں، اس لیے تجھے رہا کر دیا۔

وہ یہودی یہ سُن کر فوراً مسلمان ہو گیا اور سمجھ گیا کہ واقعی یہی مذہب حق ہے جس میں شرک سے اس درجہ نفرت دلائی گئی ہے کہ کوئی کام نفس کے لیے نہ کرو، بلکہ محض خدا کے

لیے ہر کام کرو، دوستی اور دشمنی میں بھی نفس کی آمیزش سے روکا گیا ہے۔

اب ہماری یہ حالت ہے کہ جو لوگ خدمتِ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں ان میں اکثر وہ لوگ ہیں، جو نفس کے واسطے کام کرتے ہیں، اپنے ذرا ذرا سے کارناموں کو اُچھالتے اور اخباروں میں شائع کرتے ہیں، احکامِ الٰہی کی پرواہ نہیں کرتے، بس ان کا مقصود یہ ہے کہ کام ہونا چاہیے، خواہ شریعت کے موافق ہو، یا مخالف، چندہ میں جائز و ناجائز کی پرواہ نہیں، صَرَف میں حلال وحرام کا خیال نہیں، پھر حمایتِ الٰہی ان کے ساتھ کیوں کر ہو؟ بلکہ اب تو یہ کہا جاتا ہے کہ میاں مسئلے مسائل کو ابھی رہنے دو، اس وقت تو کام کرنا چاہیے، بعد کو مسئلے مسائل دیکھے جائیں گے ''انا للہ وانا الیہ راجعون''

ان صاحبوں کو یہ خبر نہیں کہ مسئلے مسائل کے بغیر تو مسلمان کو نہ دنیوی فلاح ہو سکتی ہے، نہ اُخروی، اور سب سے زیادہ اخلاصِ نیت کی ضرورت ہے، جس کا یہاں صفر ہے'' (وعظ ''محاسنِ اسلام'' صفحہ ۳۹، تا ۴۱، ملخصاً؛ مطبوعہ: کتب خانہ اشرفیہ، دھلی)

ایک اور مقام پر حضرت تھانوی نے اس سلسلہ میں لوگوں کے خیالات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ:

''اب تو لوگوں کا یہ عقیدہ ہی نہیں رہا کہ ایمان، اخلاص اور اعمالِ صالحہ کو نصرت، فلاح اور ترقی میں دخل ہے۔ آج کل تو خدا اور رسول کو چھوڑ کر یہ دیکھا جاتا ہے کہ دوسری قومیں کس طرح ترقی کر رہی ہیں۔

حالانکہ اپنی ترقی کو کفار کی ترقی پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق (غلط قیاس) ہے، اس کو ایک مثال میں سمجھیے، ایک بھنگی عطر فروشوں کے بازار میں بے ہوش ہو کر گر پڑا، وہ لوگ اپنی عادت کے موافق اس کو عطر سونگھانے لگے، لیکن وہ ہوش میں نہیں آیا، اتفاقاً ایک دوسرے بھنگی کا ادھر گزر ہوا، اس نے کتے کا پاخانہ سونگھایا، اور وہ فوراً ہوش میں آ گیا۔

اب اگر کوئی شخص اس بھنگی کے ہوش میں آنے کی تدبیر کو علی الاطلاق (عمومی انداز میں) مفید سمجھ لے اور عطر سونگھانے کے طریقہ کو غیر مفید سمجھ کر چھوڑ دے۔ پھر اسی بھنگی کے نسخہ کو کسی نفیس مزاج لطیف طبع انسان پر استعمال کرے، تو نتیجہ یقیناً ناکامی کی شکل میں

ظاہر ہوگا، وہ ہوش میں تو کیا آئے گا اور اس کی بے ہوشی و امراضِ دماغی میں اضافہ ہوگا۔ یہ تو عمدہ اور بیش بہا لخلخوں (دماغ کو تقویت دینے والے خوشبودار چیزوں کے مجموعہ) ہی کے سونگھانے سے ہوش میں آئے گا۔

بس ایسے ہی مسلمان کفار کے طریقوں سے راہِ ترقی پر گامزن نہ ہوسکیں گے۔ مسلمانوں کی ترقی اور فلاح کا راز اعمالِ صالحہ اور احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے میں مضمر (پوشیدہ) ہے۔ لہٰذا اس پر مداومت کیجئے اور رحمتِ خداوندی سے ثمرات ونتائج کے امیدوار رہیئے" (اسعد الابرار ملفوظاتِ حکیم الامت جلد نمبر۲۵، ص۲۰۶ و ۲۰۷، ملفوظ نمبر۱۲۲)

ایک اور مقام پر حضرت تھانوی اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"میں اپنے دوستوں کو بھی مشورہ دیتا ہوں اور خود بھی اس پر عامل (کاربند) ہوں کہ حق تعالیٰ سے اپنی بہبود اور فلاح کی دعاء کریں اور یہ بڑا عمل ہے اور اس سے بڑا عمل یہ ہے کہ خدا کے راضی کرنے کی فکر میں لگ جائیں، اگر مسلمان ایسا کریں، تو چند روز میں ان شاء اللہ کایا پلٹ ہوجائے، حقیقی مالک، مُلک کے حق تعالیٰ ہی ہیں، تو مُلک جن کی مِلک ہے، انہیں سے مانگو اور اس کا صحیح طریق یہی ہے کہ ان کو راضی کرو۔ اور راضی کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ گزشتہ نافرمانیوں سے تائب ہوکر آئندہ کے لئے عزم (پختہ ارادہ) اعمالِ صالحہ کا کرو، دیکھو پھر کیا ہوتا ہے، کیونکہ تدابیر بھی وہی ذہنوں میں پیدا فرماتے ہیں اور پھر ان تدابیر کو مؤثر بھی وہی بناتے ہیں، تو ان کو راضی رکھنے سے تدبیریں بھی صحیح اور مؤثر سمجھ میں آتی ہیں اور یہ بات یقین کے درجہ کی ہے کہ اگر مسلمان ایسا کریں، تو ان کے تمام مصائب اور آلام ختم ہوجائیں، یہ مصائب کا سامنا خدا کو ناراض کرنے ہی کی بدولت ہورہا ہے۔ اور جو تدابیر اس وقت اختیار کررکھی ہیں، چونکہ ان کا اکثر حصہ غیر مشروع (غیر شرعی) ہے، اس لئے بجائے کسی کامیابی کے اور اُلٹی ذلت اور ناکامی گلوگیر ہوجاتی ہے، لوگ کہتے ہیں کہ (انگریزوں کی) شروع سلطنت کے زمانہ میں اس کا مشورہ ہوا تھا کہ ہندوستان کو نکما بنانا چاہئے اور اس کی تدبیر یہ نکلی کہ مذہبی حمیت (اپنے

مذہب کی غیرت) کو برباد کردینا چاہئے ،بس میں اسی حمیت (مذہبی غیرت) کو کہتا ہوں کہ اپنے اندر پیدا کرو۔ لیجئے، کیا اثر ہوتا ہے۔

اس وقت کثرت سے لوگوں کو مذہب سے بے گانہ کردیا گیا ہے، یہ نہایت باریک حربہ ہے، بس اس کے مقابلہ میں کرنے کا کام یہ ہے کہ مذہب کی اہمیت قلوب (دلوں) میں پیدا کی جائے، مگر مشکل یہ ہے کہ جو کام کرنے کے ہیں، ان کو تو مسلمان کرتے نہیں، دوسرے جھگڑوں اور قصوں میں پڑ کر اپنا مال اور اپنی جان، اپنا وقت برباد کررہے ہیں ،حقیقی تدابیر سے بھاگتے ہیں۔ صاحبو! اگر اعتقاد سے نہیں کرتے، تو آزمانے ہی کے طریق پر کرکے دیکھ لو، اسی کو (مولانا روم رحمہ اللہ) فرماتے ہیں۔

سالہا تو سنگ بودی دل خراش آزموں را یک زمانے خاک باش

(برسوں تک تو سخت پتھر بنا تارہا آزمائش کے لئے کچھ روز خاک ہو کر بھی دیکھ)

ان رسمی تدابیر کو چھوڑو! برسوں کرکے دیکھ لیں، خاک نہ ہوا۔

اب ذرا خاک میں سر رکھ کر بھی دیکھ لو حکمتِ یونانی کا نسخہ تو بہت زمانہ تک استعمال کرلیا، اب حکمتِ ایمانی بھی استعمال کرکے دیکھ لو ، انشاء اللہ تعالیٰ تمام امراض کافور ہوجائیں گے۔

اور میں تدابیرِ ظاہرہ کا مخالف نہیں ہوں، بشرطیکہ غیر مشروع (غیر شرعی) نہ ہوں شکایت تو اس کی ہے کہ تدابیرِ ظاہری کے اس قدر پیچھے کیوں پڑ گئے کہ حقیقت سے بھی دور جاپڑے، اس لئے ضرورت ہے کہ اب طبِ ایمانی (ایمانی علاج ومعالجہ کا) نسخہ استعمال کرو (مولانا روم رحمہ اللہ) فرماتے ہیں۔

چند خوانی حکمتِ یونانیاں حکمتِ ایمانیاں راہم بخواں

(یونانیوں کی حکمت کب تک پڑھو گے ایمان والوں کی حکمت بھی پڑھ لو)

خلاصہ یہ ہے کہ طبیبِ جسمانی کی تدابیر پر تو عمل کرچکے اور اس کا نتیجہ بھی دیکھ چکے اب طبیبِ روحانی، یعنی جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائے ہوئے نسخوں پر عمل

www.idaraghufran.org

کر کے دیکھو، کیونکہ یہ مرض ان طبیبانِ ظاہری کی سمجھ سے باہر ہے تو ان کی تدبیر کیسے کافی ہوگی، اسی کی نظیر میں مولانا (روم رحمہ اللہ) فرماتے ہیں:

گفت ہر دارد کہ ایشان کردہ اند — آن عمارت نیست ویران کردہ اند

بیخبر بودند از حالِ دروں — استعیذ اللہ مما یفترون

(مردِ غیبی نے کہا کہ جو دوا ان لوگوں نے کی ہے وہ مرض کو بڑھانے والی تھی، تندرست کرنے والی نہ تھی، وہ لوگ اندرونی حالت سے بے خبر تھے جو دوائیں وہ گھڑ رہے تھے ان سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں)

دیکھئے صحابۂ کرام کی جمعیت (وتعداد) کچھ ایسی زائد نہ تھی مادی، اسباب پاس نہ تھے مگر طبیبِ روحانی کے نسخوں پر ان کا عمل تھا، دیکھ لو کیا سے کیا کر کے دکھا گئے۔ یرموک (کی جنگ) میں جب اول روز لشکرِ اسلام کے مقابلہ میں جبلہ بن ایہم غسانی ساٹھ ہزار لشکر لے کر آیا ہے، تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ میں اول تیس آدمی، پھر دوسروں کے کہنے سننے سے ساٹھ آدمی منتخب کر کے میدان میں لے گئے، جبلہ یہ سمجھا کہ خالد بن ولید صلح کے لئے آئے ہیں، وہ دیکھ کر ہنسا، حضرت خالد بن ولید نے اعلانِ جنگ کر دیا، شام تک تلوار چلی، کفار کی ساٹھ ہزار جمعیت کو ہزیمت ہوئی اور میدان چھوڑ کر بھاگے، صحابہ میں سے پانچ یا چھ تو شہید ہوئے اور پانچ گرفتار ہوئے، جب لاشیں بھی نہیں ملیں، جب گرفتاری کا گمان ہوا، تو چھ لاکھ کے لشکر میں جو باہان ارمنی کے زیرِ کمان تھا، ان کے چھوڑانے کے لئے سو سپاہیوں کے ساتھ تشریف لے گئے اور باھان کی اطلاع واجازت کے جب آگے بڑھے، تو تخت کے قریب دیبا وحریر (ریشم) کا فرش تھا، حضرت خالد بن ولید نے ساتھیوں سے فرمایا کہ اس کو الٹ دو، باہان ارمنی نے کہا کہ میں نے تو آپ کی عزت کی اور حریر کا فرش بچھانے کا حکم دیا، آپ نے اس کی کچھ قدر نہ کی، آپ نے فرمایا کہ: **والارض فرشنٰھا فنعم الماھدون**

خدا کا فرش تیرے فرش سے اچھا ہے، باہان ارمنی نے کہا کہ ہم اور تم بھائی بھائی

ہو جائیں، حضرت خالد بن ولید نے فرمایا کہ اسلام قبول کرلے، ہم اور تو بھائی بھائی ہو جائیں گے اور اگر اسلام قبول نہ کرے گا، تو وہ دن مجھ کو قریب نظر آتا ہے تیری گردن میں رسی ہوگی اور لوگ کھینچ کر تجھ کو امیر المؤمنین کے سامنے کھڑا کریں گے۔

یہ سن کر باہان ارمنی آگ ہوگیا اور حکم دیا کہ ان کو پکڑو، حضرت خالد بن ولید نے تلوار کھینچ کر ساتھیوں کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ تم بھی تیار ہو جاؤ، اور اس کی جرار کرار فوج کی طرف نظر نہ کرو، اور اس وقت آپس میں ایک دوسرے کو نہ دیکھو، اب انشاء اللہ آبِ کوثر پر ملاقات ہوگی، بس باہان ڈھیلا ہوگیا اور کہنے لگا کہ میں تو ہنستا تھا۔

تو یہ کیا چیز تھی، وہی حمیتِ مذہبی تھی، بس اعداءِ دین (دشمنانِ دین) تدابیر سے اس کو مٹانا چاہتے ہیں اور اس کا یہ اثر ہوا کہ اب خود لوگ اپنا مذہب چھوڑ دینے پر آمادہ ہیں'' (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر۵ ص۵۰ تا۵۳ ملفوظ نمبر۴۵)

www.idaraghufran.org

عبرت کدہ حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام: قسط 99 مولانا طارق محمود

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَ بْصَارِ﴾

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

حضرت موسیٰ اور قارون (پانچواں وآخری حصہ)

قارون کا عبرت ناک انجام

پہلے تفصیل گزر چکی ہے کہ قارون کی شان وشوکت دیکھ کر دنیا کے طلبگاروں کے منہ میں پانی بھر آیا، اور وہ تمنا کرنے لگے کہ کاش ہمیں بھی ایسا ہی مال ودولت اور ساز وسامان نصیب ہوتا جیسا کہ قارون کو ملا ہے، اور ان کے مقابلہ میں جو دین دار اور سمجھ دار لوگ تھے، انہوں نے ان دنیا کے طلبگاروں کو سمجھایا کہ تم یہ کیا تمنا کر رہے ہو، یہ تو دنیا کی چندروزہ چمک دمک ہے، اصل عیش وآرام تو آخرت ہی کا ہے، اور وہاں جو سامان اللہ کے مومن اور نیک بندوں کو ملنے والا ہے، اس کے سامنے دنیا کے مال ودولت کی کیا حقیقت ہے۔

نیز قارون نے جس طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اور اس نافرمانی کے نتیجے میں وہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں اتر آیا، اور الزام تراشی تک شروع کردی، یہاں تک اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے سے بھی انکار کردیا، اور یہ دعویٰ کردیا کہ یہ سارا مال میں نے خود ہی کمایا ہے، اس میں کسی دوسرے کا کوئی دخل نہیں۔

اس سے حضرت موسیٰ کو نہایت صدمہ ہوا، اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی، اس دعاء کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے قارون اور اس کے حواریوں کو زمین میں غرق کردیا۔ [1]

---

[1] قارون کی سرکشی اور بغاوت کے کئی واقعات ہیں، لیکن جس شرارت کی وجہ سے اسے زمین میں دھنسایا گیا، اس کی نسبت مفسرین نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ کے ساتھ اس کو احکامِ شرعیہ خصوصاً زکاۃ کے حکم کی وجہ سے عداوت تھی، اس لیے قارون نے کسی فاحشہ عورت کو کچھ روپیہ دے کر بہکایا کہ مجمع عام میں حضرت موسیٰ پر زنا کی تہمت لگائے، چنانچہ اس عورت نے جب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

قرآن مجید کی سورہ قصص میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ (سورة القصص، رقم الآية ٨١)

یعنی ’’سو ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، پھر اسے کوئی ایسا گروہ میسر نہ آیا جو اللہ کے مقابلے میں اس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود اپنا بچاؤ کر سکا‘‘۔

قارون کی ہلاکت کے اسباب میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک قارون کے ہلاک ہونے اور زمین میں دھنسنے کا ایک سبب تو یہ ہے کہ وہ اپنے مال و دولت اور جاہ حشم پر بہت فخر اور تکبر کرتا تھا۔ [1]

اور دوسرا سبب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس کے خلاف دعا تھی، اور حضرت موسیٰ نے یہ دعاء بھی اس وجہ سے کی تھی کہ جب حضرت موسیٰ نے اس پر زکاۃ دینا لازم کر دیا، تو وہ آپ کا دشمن ہو گیا تھا، اور ایک وجہ یہ تھی کہ وہ آپ پر حسد کرتا تھا اور کہتا تھا کہ آپ نبی ہیں اور ہارون امام ہیں، میرے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حضرت موسیٰ پر تہمت لگائی، تو حضرت موسیٰ کانپ گئے، اور اس عورت کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر کہا کہ سچ بتا بات کیا ہے؟ اس عورت نے سچ سچ کہہ دیا کہ قارون نے مجھے اس قدر مال دے کر اس پر آمادہ کیا ہے، حضرت موسیٰ سجدہ میں گر پڑے، اور قارون کے حق میں بددعا کی، اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی کہ اے موسیٰ! ہم نے زمین کو تیرے لیے مسخر کر دیا ہے، قارون کے بارے میں جو تو زمین کو حکم دے گا، وہ تیری فرمانبرداری کرے گی، حضرت موسیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ وہ اس کو نگل لے، لوگوں نے اس کو مضحکہ اور جادو سمجھا، یہاں تک کہ زمین نے اس کو گھٹنوں تک نگل لیا، تو قارون چلانے لگا، اور قرابت کا واسطہ دینے لگا، مگر حضرت موسیٰ نے شدتِ غضب اور بغض فی اللہ کی وجہ سے کچھ التفات نہ کیا، یہاں تک کہ پورا زمین میں دھنس گیا۔

وقول سابع: روى عن ابن عباس قال: لما أمر الله تعالى برجم الزانى عمد قارون إلى امرأة بغى وأعطاها مالا، وحملها على أن ادعت على موسى أنه زنى بها وأنه أحبلها، فعظم على موسى ذلک وأحلفها بالله الذى فلق البحر لبنى إسرائيل، وأنزل التوراة على موسى إلا صدقت. فتداركها الله فقالت: أشهد أنک برء، وأن قارون أعطانى مالا، وحملنى على أن قلت ما قلت، وأنت الصادق وقارون الكاذب. فجعل الله أمر قارون إلى موسى وأمر الأرض أن تطيعه. فجاءه وهو يقول للأرض: يا أرض خذيه، وهى تأخذه شيئا فشيئا وهو يستغيث يا موسى! إلى أن ساخ فى الأرض هو وداره وجلساؤه الذين كانوا على مذهبه(تفسير القرطبى، ج١٣ص٣١٠، ٣١١، سورة القصص)

[1] وأما قوله: فخسفنا به وبداره الأرض ففيه وجهان أحدهما: أنه لما أشر وبطر وعتا خسف الله به وبداره الأرض جزاء على عتوه وبطره، والفاء تدل على ذلک، لأن الفاء تشعر بالعلية(تفسير الرازى، ج ٢٥ص١٧، سورة القصص)

لیے کوئی منصب نہیں، اور ایک وجہ یہ تھی کہ اس نے ایک عورت کو آپ پر الزام لگانے کے لیے تیار کیا، جیسا کہ پہلے گزرا۔ [1]

---

[1] وثانيها: قيل إن قارون كان يؤذى نبى الله موسى عليه السلام كل وقت وهو يداريه للقرابة التى بينهما حتى نزلت الزكاة فصالحه عن كل ألف دينار على دينار، وعن كل ألف درهم على درهم فحسبه فاستكثره فشحت نفسه فجمع بنى إسرائيل، وقال: إن موسى يريد أن يأخذ أموالكم فقالوا: أنت سيدنا وكبيرنا فمرنا بما شئت، قال: نبرطل فلانة البغى حتى تنسبه إلى نفسها فيرفضه بنو إسرائيل فجعل لها طستا من ذهب مملوئا ذهبا فلما كان يوم عيد قام موسى فقال: يا بنى إسرائيل من سرق قطعناه، ومن زنى وهو [غير] محصن جلدناه وإن أحصن رجمناه، فقال قارون وإن كنت أنت؟ قال: وإن كنت أنا، قال: فإن بنى إسرائيل يقولون إنک فجرت بفلانة فأحضرت فناشدها موسى بالله الذى فلق البحر وأنزل التوراة أن تصدق فتداركها الله تعالى، فقالت: كذبوا بل جعل لى قارون جعلا على أن أقذفک بنفسى، فخر موسى ساجدا يبكى، وقال: يا رب إن كنت رسولک فاغضب لى، فأوحى الله عز وجل إليه أن مر الأرض بما شئت فإنها مطيعة لک، فقال: يا بنى إسرائيل، إن الله بعثنى إلى قارون كما بعثنى إلى فرعون فمن كان معه فليلزم مكانه ومن كان معى فليعتزل فاعتزلوا جميعا غير رجلين، ثم قال: يا أرض خذيهم فأخذتهم إلى الركب ثم قال خذيهم فأخذتهم إلى الأوساط ثم قال: خذيهم فأخذتهم إلى الأعناق وقارون وأصحابه يتضرعون إلى موسى عليه السلام ويناشدونه بالله والرحم، وموسى لا يلتفت إليهم لشدة غضبه، ثم قال: خذيهم فانطبقت الأرض عليهم (تفسير الرازى، ج۲۵ ص۱۷، سورة القصص)

اور ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب قارون کی سواری اس طمطراق سے نکلی کہ سفید قیمتی خچر پر بیش بہا پوشاک پہنے سوار تھا، اس کے غلام بھی سب کے سب ریشمی لباسوں میں تھے، ادھر حضرت موسیٰ خطبہ پڑھ رہے تھے، بنی اسرائیل کا مجمع تھا، یہ جب وہاں سے نکلا ،تو سب کی نگاہیں اس پر اور اس کی دھوم دھام پر لگ گئیں، حضرت موسیٰ نے اسے دیکھ کر پوچھا آج اس طرح کیسے نکلے؟ اس نے کہا بات یہ ہے کہ ایک بات اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے، اور ایک فضلیت مجھے دے رکھی ہے اگر تمہارے پاس نبوت ہے، تو میرے پاس یہ جاہ وحشم ہے، اور اگر آپ کو میری فضیلت پر شک ہو، تو میں تیار ہوں کہ آپ اور میں چلیں اور اللہ سے دعا کریں، دیکھ لیجئے کہ اللہ کس کی دعا قبول فرماتا ہے، حضرت موسیٰ اس بات پر آمادہ ہوگئے، اور اس کو لے کر چلے، حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ پہلے تو دعا کرتا ہے یا میں کروں؟ اس نے کہا نہیں میں کروں گا، اب اس نے دعا مانگنی شروع کردی، اور ختم ہوگئی لیکن دعا قبول نہ ہوئی۔ حضرت موسیٰ نے کہا اب دعا میں کرتا ہوں اس نے کہا کہ ہاں کیجئے، آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ زمین کو حکم دے کہ جو میں کہوں مان لے اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی، اور وحی آئی کہ میں نے زمین کو تیری اطاعت کا حکم دے دیا ہے، حضرت موسیٰ نے یہ سن کر زمین سے فرمایا کہ اے زمین! اسے اور اس کے لوگوں کو پکڑ لے، وہیں یہ لوگ اپنے قدموں تک زمین میں دھنس گئے، آپ نے فرمایا اور پکڑ لے، یہ اپنے گھٹنوں تک دھنس گئے، آپ نے فرمایا اور پکڑ، یہ مونڈھوں تک زمین میں دھنس گئے، پھر فرمایا ان کے خزانے اور مال بھی یہیں لے آ، اسی وقت ان کے کل خزانے اور مال وہاں آگئے، اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے ان سب کو دیکھ لیا، پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ان کو ان کے خزانوں سمیت اپنے اندر کرلے اسی وقت یہ سب غارت ہوگئے اور زمین جیسی تھی ویسی ہوگئی۔

وقد ذكر أن هلاک قارون كان من دعوة موسى نبى الله عليه السلام، واختلف فى سببه فعن ابن عباس والسدى أن قارون أعطى امرأة بغيا مالا على أن تبهت موسى بحضرة الملأ من بنى إسرائيل وهو قائم فيهم يتلو عليهم كتاب الله تعالى، فتقول يا موسى إنک فعلت بى كذا وكذا، فلما قالت ذلک فى الملأ لموسى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

بنی اسرائیل کے لوگوں نے جب قارون کا یہ حشر دیکھا، تو اس وقت ان کی آنکھیں بھی کھل گئیں، اور وہ لوگ جو پہلے قارون کے مال ودولت کو اور اس کی جاہ وحشم کو للچاتی ہوئی نظروں سے دیکھا کرتے تھے، اور رشک کرتے تھے کہ کاش ہم بھی ایسے ہی دولت مند ہوتے اور ہمیں بھی ایسا ہی عروج اور ترقی حاصل ہوتی، قارون کا یہ انجام دیکھ کر کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے، اور اب ان کو ہوش آیا کہ ایسی دولت حقیقت میں ایک خوبصورت سانپ ہے، جس کے اندر مہلک زہر بھرا ہوا ہے۔

قرآن مجید کی سورہ قصص میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاَصۡبَحَ الَّذِیۡنَ تَمَنَّوۡا مَكَانَهٗ بِالۡاَمۡسِ یَقُوۡلُوۡنَ وَیۡكَاَنَّ اللّٰهَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ وَیَقۡدِرُ ۚ لَوۡلَاۤ اَنۡ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیۡنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَیۡكَاَنَّهٗ لَا یُفۡلِحُ الۡكٰفِرُوۡنَ (سورة القصص، رقم الآية ٨٢)

یعنی ''اور کل جو لوگ اس جیسا ہونے کی تمنا کر رہے تھے، کہنے لگے کہ اوہو! پتہ چل گیا کہ اللہ اپنے بندوں میں سے، جس کے لیے چاہتا ہے، رزق میں وسعت کر دیتا ہے، اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے۔ اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو وہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عليه السلام أرعد من الفرق، وأقبل عليها بعد ما صلى ركعتين ثم قال: أنشدك بالله الذى فرق البحر وأنجاكم من فرعون، وفعل كذا وكذا لما أخبرتنى بالذى حملك على ما قلت؟ فقالت: أما إذ نشدتنى فإن قارون أعطانى كذا وكذا على أن أقول ذلك لك، وأنا أستغفر الله وأتوب إليه، فعند ذلك خر موسى لله عز وجل ساجدا، وسأل الله فى قارون، فأوحى الله إليه أن قد أمرت الأرض أن تطيعك فيه، فأمر موسى الأرض أن تبتلعه وداره، فكان ذلك.

وقيل إن قارون لما خرج على قومه فى زينته تلك وهو راكب على البغال الشهب، وعليه وعلى خدمه ثياب الأرجوان المصبغة، فمر فى محفله ذلك على مجلس نبى الله موسى عليه السلام وهو يذكرهم بأيام الله، فلما رأى الناس قارون انصرفت وجوههم نحوه ينظرون إلى ما هو فيه، فدعاه موسى عليه السلام وقال: ما حملك على ما صنعت؟ فقال: يا موسى أما لئن كنت فضلت على بالنبوة فلقد فضلت عليك بالدنيا، ولئن شئت لنخرجن فلتدعون على وأدعو عليك، فخرج موسى وخرج قارون فى قومه، فقال موسى عليه السلام: تدعو أو أدعو أنا، فقال: بل أدعو أنا، فدعا قارون فلم يجب له، ثم قال موسى: أدعو؟ قال: نعم، فقال موسى: اللهم مر الأرض أن تطيعنى اليوم، فأوحى الله إليه أنى قد فعلت، فقال موسى:

يا أرض خذيهم، فأخذتهم إلى أقدامهم ثم قال: خذيهم، فأخذتهم إلى ركبهم، ثم إلى مناكبهم، ثم قال: أقبلى بكنوزهم وأموالهم .قال: فأقبلت بها حتى نظروا إليها، ثم أشار موسى بيده، ثم قال: اذهبوا بنى لاوى فاستوت بهم الأرض .(تفسير ابنِ كثير، ج٦ ص ٢٣١، سورة القصص)

ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا۔ اوہو! پتہ چلا گیا کہ کافر لوگ فلاح نہیں پاتے"۔

مطلب یہ ہے کہ قارون کے اس عبرتناک انجام سے ان لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں، اور ان کے سامنے واضح ہوگیا کہ دنیا کی عارضی اور چندروزہ نعمتوں سے متمتع ہوجانا، اور بات ہے، لیکن ہمیشہ کی اور اصل کامیابی کافروں کو کبھی نصیب نہیں ہوسکتی، جس کا ایک ثبوت قارون کا یہ انجام بھی ہے۔ ؎

؎ وقوله تعالى: وأصبح الذين تمنوا مكانه بالأمس أى الذين لما رأوه فى زينته قالوا يا ليت لنا مثل ما أوتى قارون إنه لذو حظ عظيم فلما خسف به أصبحو يقولون ويكأن الله يبسط الرزق لمن يشاء من عباده ويقدر، أى ليس المال بدال على رضا الله عن صاحبه، فإن الله يعطى ويمنع ويضيق ويوسع ويخفض ويرفع، وله الحكمة التامة والحجة البالغة(تفسير ابنِ كثير ،ج٦ ص ٢٣١، ٢٣٢، سورة القصص)

نفل، سنت اور واجب اعتکاف کے فضائل واحکام

نفل و مستحب، مسنون اور واجب اعتکاف کے تفصیلی فضائل واحکام، نفل و مستحب اعتکاف کی فضیلت اور اُس کے اوقات واحکام، مسنون اعتکاف کی فضیلت اور اُس کے اوقات واحکام، واجب اعتکاف کی حقیقت اور اُس کی اقسام واحکام، اور متعلِّقہ تحقیقی مسائل پر مفصَّل ومدلَّل کلام

شوال اور عیدُ الفطر کے فضائل واحکام

قرآن وحدیث، فقہ اور اہلِ سنت والجماعت کی تعلیمات کی روشنی میں اسلامی سال کے دسویں مہینے "شوال المکرّم" کے فضائل، مسائل، احکام ومنکرات، صدقۂ فطر، چاندرات، عید کی نماز وخطبہ، عید کی رسموں اور شش عید کے روزوں وغیرہ کے متعلق فضائل ومسائل، بدعات ومنکرات، ماہِ شوال سے متعلق تاریخی واقعات

مصنِّف: مفتی محمد رضوان

ناشر: ادارہ غفران چاہ سلطان راولپنڈی پاکستان

www.idaraghufran.org

طب و صحت

حکیم مفتی محمد ناصر

نزلہ وزکام

نزلہ،عربی زبان کا لفظ ہے،جس کے معنیٰ نازل ہونے یا گرنے کے ہیں،یہ ایسی رطوبت والا مرض ہے جو جسم کے مختلف اعضاء سے رگوں (یعنی عروق) کے ذریعہ نکلتی ہے،اور جس عضو سے یہ رطوبت نکل کر گرے،اسی عضو کی نسبت سے اسے نام دیا جاتا ہے،مثلاً جب ناک سے یہ رطوبت بہے تو زکام،حلق سے گرے تو نزلہ،جِلد سے نکلے تو پسینہ،منہ سے بہے تو تھوک،مخصوص اعضاء سے بہے تو پیشاب، جریان، احتلام،لیکوریا وغیرہ نام رکھے جاتے ہیں۔زیرِ نظر موضوع حلق اور ناک سے بہنے والی رطوبت ہے۔اس رطوبت کے گرنے میں کمی بیشی کے اعتبار سے اس کی کئی قسمیں ہیں،علاج میں ان کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے،نزلہ وزکام کے اخراج میں کمی یا زیادتی دونوں ہی زوال کا سبب ہیں۔اگر نزلہ وزکام مستقل لگا رہے تو بال قبل از وقت سفید ہوکر آدمی بوڑھا محسوس ہونے لگتا ہے،نظر وقت سے پہلے کمزور ہوجاتی ہے،سر کے بال گرنا شروع ہوجاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض اوقات انسان گنجا ہوجاتا ہے،حافظہ اور یادداشت کمزور ہونے لگتی ہے،اور بھولنے کا مرض پیدا ہوجاتا ہے،دانت وقت سے پہلے ہلنے اور گرنے لگ جاتے ہیں،جس کی وجہ سے کھانا پوری طرح چبایا نہیں جاتا،اور جب غذا پوری طرح چبا کر اندر نہ کی جائے،تو منہ کا لعاب (یعنی انزائمز) مطلوبہ مقدار میں خارج نہیں ہوتے، جو غذا کے سادہ نشاستہ دار اجزاء کو گلوکوز میں تبدیل کرکے ہضم اور جذب کے قابل بناتا ہے،اور جب غذا منہ سے ہی پوری طرح ہضم کے مراحل سے نہ گزرے،تو اس کا بُرا اثر معدہ پر پڑتا ہے،معدہ کو اپنی طاقت سے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے، اور یوں معدہ کمزور ہوکر مختلف بیماریوں کا شکار ہونے لگتا ہے۔مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نزلہ زکام، وقت سے پہلے بڑھاپے کو لانے کا ایک بڑا سبب ہے، اور اس جدید دور میں تقریباً نوے (۹۰) فیصد آبادی نزلہ زکام کے مرض میں مبتلا ہے۔

نزلہ زکام عورتوں کی نسبت مَردوں کو اور مَردوں کی نسبت بچوں کو بہت جلد گرفتار کرلیتا ہے،اس لیے

اس جدید دور کے بچے دن بدن کمزور سے کمزور تر ہوتے جا رہے ہیں، بچوں میں نزلہ زکام کی علامات کا مستقل طور پر رہنا، ان کی آنے والی زندگی میں مختلف مصائب میں گھرے رہنے کا سبب بن سکتی ہے، مثلاً دماغی طور پر نکما پن، عملی زندگی میں سُست اور ناکام ہونا وغیرہ۔

بچوں کو نزلہ وزکام کی علامات والدین سے ورثے میں بھی ملتی ہیں، اس کے علاوہ بچوں میں رطوبات کی کثرت بھی اس مرض کا ایک خاص سبب ہے، رطوبات عمر کے لحاظ سے ہوں، یا خود پیدا کردہ ہوں، یہ عمر کے جس حصے میں بھی ہوں، اس سے جسم کی حرارتِ غریزی (یعنی اندرونی حرارت اور گرمی) کم ہوتی جاتی ہے، لہٰذا یہ اصول ہے کہ حرارتِ غریزی (یعنی جسم کے اندر کی قدرتی حرارت اور گرمی) کو مناسب طریقے سے مشتعل اور تیز کر کے نزلہ کا علاج اچھے طریقہ سے کیا جاسکتا ہے، یعنی اگر زکام لگ جائے، تو اس کو خارج کر دینا ہی اس کا اصولی اور یقینی علاج ہے، جس طرح پیشاب خون کے فالتو مادوں کو اور پاخانہ آنتوں کی گندگی کو نکالنے کا ایک ذریعہ ہے، اسی طرح نزلہ زکام، دماغ کے فالتو مادوں کو نکالنے کا ایک قدرتی ذریعہ ہے، ان فالتو مادوں کے اخراج سے انسانی جسم صحت مند رہتا ہے، اور اگر یہ فالتو مادے جسم سے نہ نکلیں، تو جسم کے اندر رہنے کی وجہ سے مستقل اور دائمی امراض لگ جاتے ہیں، اس لئے ان فالتو مادوں کا نکالنا ہی صحت ہے، اس کے برعکس معاشرے کی عام ذہنیت یہ بنادی گئی ہے کہ نزلہ زکام کو تیز ترین کیمیکل والی ادویہ سے فوری طور پر جسم کے اندر ہی خشک کر دیا جائے، یہ طریقۂ علاج قدرتی اور فطری طریقۂ علاج کے خلاف ہے۔

جدید طبی تحقیقات کی روشنی میں نزلہ وزکام کی بنیادی طور پر دو قسمیں یا دو سبب ہیں، ایک دماغ کی قشری بافت میں سوزش و حرارت یا گرمی ہے، اسے زکام حار کہتے ہیں، اور دوسری قسم سردی لگ جانے سے یا مرطوب موسم میں بارش میں نہانے سے نزلہ وباء کی صورت میں لگ جاتا ہے، اسے زکام بارد کہتے ہیں، نزلہ زکام کی ایک تیسری قسم بھی ہے، جو نزلہ کی مذکورہ دونوں قسموں کے بگڑنے سے پیدا ہوتی ہے۔ نزلہ زکام کی پہلی قسم کے غذائی علاج میں ایسی غذائیں استعمال کرنی چاہئیں، جن کا مزاج گرم تر، یا تر گرم ہو، مثلاً گرم دودھ میں شہد ڈال کر پی لیا جائے، اور نزلہ زکام کی دوسری قسم کے علاج میں ایسی غذائیں استعمال کرنی چاہئیں، جن کا مزاج خشک گرم اور گرم تر ہو،

﴿بقیہ صفحہ 61 پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اخبارِ ادارہ — مفتی محمد ناصر

ادارہ کے شب وروز

□...... 2/شعبان بروز منگل، مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی صاحب مدظلہ (جامعہ خیرُ المدارس، ملتان) اور مولانا انصر باجوہ صاحب، مفتی صاحب مدیر سے ملاقات کے لئے تشریف لائے، اور علمی گفتگو ہوئی۔

□...... 29/شعبان بروز پیر، کی رات رمضان کے چاند کا اعلان ہوتے ہی ادارہ میں حسبِ سابق تراویح میں قرآن مجید سنانے کے مختلف حلقے قائم ہوگئے، حضرت مدیر صاحب اور آپ کے صاحبزادے مولانا محمد ریحان صاحب، مسجدِ غفران میں قرآن مجید کا ڈیڑھ پارہ سنارہے ہیں، قاری فرحانُ اللہ صاحب کا چھ پارے تراویح میں سنا کر پانچویں شب میں اور مولانا طارق محمود صاحب اور حافظ مؤذن صاحب کا تین پارے تراویح میں سنا کر دسویں شب میں تراویح میں قرآن مجید مکمل ہوچکا ہے، جبکہ ادارہ کے مختلف حصوں میں مولانا غلام بلال صاحب اور قاری معاویہ صاحب ڈیڑھ، ڈیڑھ پارہ سنارہے ہیں، جناب فرقان خان صاحب (برادر مفتی صاحب مدیر) کی رہائش گاہ میں حافظ محمد عفان صاحب اور حافظ محمد لقمان صاحب بھی (ڈیڑھ پارہ) اور مسجد نسیم میں بندہ محمد ناصر سوا پارہ تراویح میں سنارہے ہیں، رواں میں واقع ادارہ غفران کی شاخ میں بھی، مولانا طارق محمود صاحب کی قیادت میں تراویح میں قرآن مجید سنانے کا عمل جاری ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ آمین

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ 59 ''نزلہ وزکام''﴾

مثلاً مٹھی بھر بھنے چنے کھا کر گرم دودھ پی لیا جائے، نزلہ، زکام کا اگر ابتداء میں ہی صحیح پرہیز اور غذائی علاج کیا جائے، تو اس سے بھی اس مرض سے نجات مل جاتی ہے، اس کے برعکس بد پرہیزی اور لاپرواہی برتنے سے یہ مرض بگڑ کر نہایت تکلیف دہ بن جاتا ہے۔

www.idaraghufran.org